عالم اسلام کے عظیم فاتح

علاؤالدین خلجی

اسلم راہی
ایم اے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب ——— علاؤالدین خلجی

مصنف ——— سلم راہی ایم اے

پرنٹر ——— احد پرنٹر کراچی

قیمت ——— -/30 روپے

اسٹاکسٹ

یونس بک ڈپو	اردو بازار لاہور
عوامی کتاب گھر	اردو بازار لاہور
فہیم بک ڈپو	اردو بازار لاہور
اشرف بک ایجنسی	اقبال روڈ راولپنڈی
کتاب گھر	اقبال روڈ راولپنڈی
شمع بکسٹال	ریگل روڈ فیصل آباد
کتب خانہ مقبول عام	جھنگ بازار فیصل آباد
رحمٰن بک ہاؤس	اردو بازار کراچی
رشید نیوز ایجنسی	فرئیر مارکیٹ کراچی
اسلامک بک سینٹر	اردو بازار کراچی
الحبیب نیوز ایجنسی	اسٹیشن روڈ حیدرآباد

عرض ناشر

ادارہ شمع بک ایجنسی کی عرصہ دراز سے یہ کوشش تھی کہ تاریخ پر چھوٹی چھوٹی اور مختصر کتابیں شائع کی جائیں۔ جن سے بچے بوڑھے اور جوان سب ہی استفادہ حاصل کر سکیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ تاریخ پر قلم کس سے اٹھانے کو کہا جائے کیونکہ ہمارے ہاں تاریخ کے نام پر کچھ ایسی کتب ملتی ہیں۔ جن میں سرے سے تاریخ نام کی کوئی چیز نہیں بس قصے کہانیاں یا رومانس بھر دیا گیا ہے۔

ادارہ کی نظر مشہور و معروف تاریخ داں اسلم راہی صاحب پر پڑی اور ہم نے ان سے رابطہ کیا اور مشہور و معروف مسلمان و غیر مسلم تاریخی شخصیات پر قلم اٹھانے کو کہا۔ وہ جلد ہی راضی ہو گئے۔ اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ہم نے قوم کو تاریخ کا اصل چہرہ دکھایا ہے۔ اور تاریخ کو تاریخ ہی پیش کیا ہے۔ نا کہ من گھڑت قصے کہانیاں۔

ہمارے ادارے نے تقریباً 100 کے قریب تاریخی شخصیات پر کتب شائع کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ان میں مشہور و معروف جلیل القدر سپہ سالار، بادشاہ، جرنیل، فاتح وغیرہ شامل ہیں اور ایسی غیر مسلم شخصیات کو بھی لیا گیا ہے۔ جن کے بغیر تاریخ نامکمل ہے۔ ان میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں پہلی بار کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعزاز ہمارے ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔ مشہور و معروف شخصیات مثلاً صلاح الدین ایوبی،

حیدر علی، ٹیپو سلطان، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، محمود غزنوی، موسیٰ بن نصیر، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، عماد الدین زنگی، خیر الدین باربروسا وغیرہ اس کے علاوہ چنگیز خان، ہلاکو خان، ہیلن آف ٹرائے، نپولین بوناپارٹ، سکندر اعظم، ہٹلر وغیرہ جیسی شخصیات کو بھی شامل کیا ہے۔ ہماری اس تاریخی سلسلے کی فہرست کافی طویل ہے۔

ہمارے ادارے نے وطن عزیز کے طالبعلموں کو تاریخ کی طرف لانے کی جو کوشش کی ہے اس میں ہمیں آپ کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اور ساتھ ہی ہم حکومت پاکستان سے بھی یہ گزارش کریں گے کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر **سلیبس** کے طور پر شامل کرے۔

اسلم راہی صاحب کے خیالات سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر انکار نہیں۔ اختلاف کرنا ہر آدمی کا حق ہے اور ضروری نہیں کہ ہمارا ادارہ بھی مصنف کے تمام خیالات سے متفق ہو۔

مگر مصنف نے جس طرح تاریخ کو کھنگال کر مختصر صفحات میں پیش کیا ہے۔ اس کے لیے یہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ہم تاریخ سے منہ نہیں موڑ سکتے ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ خدا کرے کہ ہم میں پھر صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، حیدر علی، ٹیپو سلطان اور نور الدین زنگی جیسی شخصیات جنم لیں۔ جو قومیں تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں، جو قومیں تاریخ کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں، جو قومیں تاریخ کو گزرا ہوا کل کہہ کر رد کر دیتی ہیں۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرتیں۔ تباہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ آیئے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خالد علی

علاؤ الدین خلجی ذات کا ترک تھا اور اپنے چچا اور دہلی کے سلطان جلال الدین خلجی کی طرف سے کڑہ شہر کا حاکم تھا۔ وہ ہندوستان کا سلطان بننا چاہتا تھا لیکن جب تک جلال الدین خلجی زندہ تھا وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اور پھر ہندوستان کا سلطان بننے کے لئے کافی دولت اور ایک بہت بڑا خزانہ بھی درکار تھا۔ لہٰذا اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے علاؤ الدین خلجی نے ایک عجیب وغریب حربہ استعمال کیا۔

جلال الدین خلجی کی طرف سے وہ کڑہ کا حاکم تھا اور اپنے چچا اور دہلی کے سلطان جلال الدین خلجی کی اجازت کے بغیر وہ کڑہ سے نکل کر ہندوستان کے کسی علاقے پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس اصول کو پس پشت ڈال کر علاؤ الدین خلجی نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔ اسے کسی نے بتایا کہ دکن میں دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کے پاس ایک بہت بڑا خزانہ ہے جو نسل در نسل اس کے پاس چلا آرہا ہے اسے یہ بھی خبر دی گئی کہ یہ خزانہ اس قدر بڑا اور بے شمار ہے کہ اس سے پہلے دہلی کے کسی بھی سلطان کے پاس کبھی اتنا بڑا خزانہ نہ رہا تھا۔ چنانچہ علاؤ الدین خلجی نے وہ خزانہ حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا۔

کڑہ میں اس نے اپنی طرف سے ایک نائب مقرر کیا۔ آٹھ ہزار کا لشکر

لے کروہ کڑہ سے نکلا اور دیو گڑھ کا رخ کیا۔

دیو گڑھ گو بہت دور تھا راستہ جنگلوں اور دشوار گزار علاقوں میں سے ہو کر گزرتا تھا لیکن علاؤ الدین خلجی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی ہر صورت میں وہ دیو گڑھ کے راجہ رام دیو کا خزانہ حاصل کرنے کے لئے چل گیا تھا۔

دیو گڑھ کے راجہ کے پاس گو بہت بڑا لشکر تھا لیکن علاؤ الدین خلجی کی خوش قسمتی کہ اپنے صرف آٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ اس نے دیو گڑھ کے راجہ کے خلاف فتح حاصل کی اور دیو گڑھ کے شہر اور قلعے میں داخل ہوا۔ اس فتح کے نتیجے میں علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ دیو گڑھ کے راجہ رام دیو کی طرف سے چھ سو من سونا، سات من موتی، دو من جواہرات جن میں لعل، یاقوت، الماس اور زمرد شامل تھے، ایک ہزار من چاندی اور چار ہزار ریشمی کپڑوں کے تھان لگے تھے اس کے علاوہ ان گنت ہاتھی اور ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے بھی حاصل ہوئے راجہ رام دیو کے علاوہ علاؤ الدین خلجی نے دیو گڑھ کے کچھ مہاجنوں کو بھی گرفتار کر لیا تھا اور انہیں آزاد کرنے کے صلے میں بھی علاؤ الدین خلجی کو پچاس من سونا کئی من موتی اور ان گنت کپڑوں کے تھان ملے تھے اس طرح علاؤ الدین کے پاس اپنے چچا جلال الدین خلجی سے بھی زیادہ دولت ہو گئی تھی۔ اس دولت کے حصول کے بعد اس نے اپنے چچا کو دھوکہ دہی سے قتل کر دیا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا کہ اس وقت میرے سامنے دو تجویزیں ہیں بتاؤ میں کس پر عمل کروں پہلی تجویز یہ ہے کہ میں لکھنوتی پر حملہ کر کے بنگال تک کے علاقے پر قبضہ کر لوں اور اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ

کروں۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ میں کڑہ شہر ہی میں قیام کیے رہوں اور کڑہ میں قیام کر کے سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی تدبیر پر عمل کروں۔

علاؤ الدین فکر مند تھا اس لئے کہ اپنے چچا کا تو وہ خاتمہ کر چکا تھا لیکن جلال الدین کی بیوہ ملکہ جہاں اور اس کا ایک بیٹا دہلی میں قیام کیے ہوئے تھے جبکہ دوسرا بڑا بیٹا جس کا نام ارکلی خان تھا وہ ملتان کا حاکم تھا اور اس کے پاس بہت بڑا لشکر بھی تھا۔

اس موقع پر علاؤ الدین کے ایک سالار نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”الکلی خان ملتان ہی میں قیام کیے ہوتے ہے اس لئے کہ جلال الدین نے اپنے دور میں اسے ملتان کا حاکم بنایا ہوا تھا اب جہاں تک الکلی خان کا تعلق ہے تو وہ انتہاء درجہ کا بہادر جنگجو انسان ہے۔

ان فطری صفات کے ساتھ ساتھ لشکر کشی کے قواعد اور ضوابط اور حکمرانی کے اصولوں سے بھی وہ اچھی طرح واقف اور آگاہ ہے۔

لہٰذا یہ بات طے شدہ ہے کہ الکلی خان اور اس کی ماں ملکہ جہاں جلال الدین خلجی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے معرکہ آرائی ضرور کریں گے اور یہ لوگ سب سے پہلے مقتول بادشاہ کے قاتلوں ہی کو سزا دینے کی کوشش کریں گے۔

اس صورتِ حال کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ حضور فی الحال کڑہ ہی میں قیام رکھیں اور اپنے چیدہ چیدہ لشکریوں پر مشتمل ایک بہترین لشکر تیار کریں اس لشکر کا کماندار کسی تربیت یافتہ سالار کو مقرر کریں اور اس لشکر کو پہلے لکھنوتی کی طرف روانہ کر دیا جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سالار رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"اس لشکر کے بھیجنے میں کسی قسم کی تاخیر اور دیر بھی نہ کی جائے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ برسات کا موسم شروع ہونے والا ہے اور اسی برسات کے موسم میں لشکر کو لکھنوتی کی طرف بھیج دینا مناسب ہوگا تاکہ یہ لشکر بنگال کے علاقے کے تمام فتنہ اور فساد کو فرو کر کے اس علاقے میں آپ کی حکومت کو مضبوط کر سکے۔

اگر جلال الدین خلجی کے بیٹے الکلی خان نے دہلی سے روانہ ہو کر ہمارے لشکر سے جنگ کرنے کی ٹھانی اور ہمیں اس امر کا اندازہ ہو گیا کہ بغیر جنگ کے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو پھر ہم بھی باقی لشکر کے ساتھ لکھنوتی کا رخ کریں گے اور الکلی خان کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کریں گے۔"

ہندوستان کا سلطان، حکمران اور بادشاہ بننے کے لئے کیونکہ علاؤ الدین خلجی نے اپنے سازشی اور فریب کار امراء کی سازشوں میں آ کر اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کروا دیا تھا لہٰذا اپنے چچا کے قتل کے بعد وہ تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی کام اپنے سالاروں اور امراء کے مشوروں کے بغیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

علاؤ الدین کے جس سالار نے مشورہ دیا کہ ایک لشکر لکھنوتی کی طرف روانہ کرنا چاہیئے اور کڑہ سے نکل کر پہلے بنگال پر قبضہ کرتے ہوئے پھر اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنا چاہیے اس تجویز کو علاؤ الدین خلجی نے پسند کیا تھا۔

ابھی وہ بنگال کی طرف ایک لشکر بھیجنے کی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ دہلی سے

اس کے ہمنواؤں نے اسے اطلاع دی کہ مرحوم سلطان جلال الدین کی بیوی ملکہ جہاں نے دہلی میں مقیم امراء، سالاروں اور ارکان سلطنت کے مشورے کے بغیر ہی اپنے چھوٹے بیٹے قدر خان کو سلطان رکن الدین ابراہیم شاہ کا خطاب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔

علاؤ الدین خلجی کو یہ بھی خبر دی گئی کہ ملکہ جہاں کے اس اقدام سے دہلی کے تمام امراء اور معززین ملکہ سے انتہاء درجہ کے رنجیدہ ہو گئے ہیں اور ان میں سے بیشتر نے ملکہ کے خلاف سازشوں کے جال پھیلانے بھی شروع کر دیئے ہیں۔

یہ خبر ملنے کے بعد علاؤ الدین نے اپنی رائے بدل دی۔ پہلے اس نے اپنے لشکر کو لکھنوتی بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اب اس نے ارادہ کرلیا کہ وہ دہلی کا رخ کرے گا اور ہندوستان کا بادشاہ بننے کے لئے فیصلہ کن قدم اٹھائے گا۔

اس موقع پر مقتول سلطان جلال الدین خلجی کی بیوہ ملکہ جہاں نے بھی کچھ غلط فیصلے کیے اس نے بڑی عاقبت نااندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خان کو رکن الدین کا خطاب دے کر بادشاہ بنا دیا جبکہ اس کا بڑا بیٹا جو حکومت کرنے کے ہنر جانتا تھا، بہادر تھا، ایک اعلیٰ پائے کا سالار بھی تھا اس کا انتظار نہیں کیا کیونکہ وہ ملتان میں قیام کیے ہوئے تھا ملکہ جہاں نے یہ قدم بڑے خلوص سے اٹھایا تھا اس لئے اس نے الکلی خان کا انتظار نہیں کیا اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے قاصد الکلی خان کی طرف بھجوائے اسے بلوایا تو اس وقت تک کہیں کڑہ سے نکل کر علاؤ الدین دہلی کے تاج و تخت پر قابض نہ ہو جائے لہٰذا

دہلی میں مقیم سارے امراء اور سالاروں کو اپنی مٹھی میں کرنے کے لئے اس نے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خان کو رکن الدین کا خطاب دے کر تاج وتخت کا مالک بنادیا تھا۔

اس موقع پر اگر قدر خان کو حکمران بنانے کے بعد ملکہ جہاں تیز رفتار قاصد ملتان کی طرف بھیج کر اپنے بڑے بیٹے الکلی خان کو دہلی میں بلالیتی اور تاج و تخت اس کے حوالے کرنے کے بعد حالات کا مقابلہ کرتی تو یقیناً ہندوستان کی تاریخ کچھ مختلف ہوتی۔

دوسری طرف ملتان میں مقیم جلال الدین خلجی کے بڑے بیٹے الکلی خان کو جب خبر ہوئی کہ اس کی ماں نے تو اس کے چھوٹے بھائی قدر خان کو رکن الدین ابراہیم کا خطاب دے کر تخت پر بٹھادیا ہے تب اس نے اپنی ماں کے اس اقدام کو ناپسند کیا وہ ملتان ہی میں قیام کیے رہا اور دہلی کا رخ نہ کیا۔

دوسری طرف علاؤالدین خلجی کو خبر ہوئی کہ ملکہ جہاں نے اپنے بڑے بیٹے الکلی خان کو نظر انداز کرتے ہوئے چھوٹے بیٹے قدر خان کو تخت وتاج کا مالک بنادیا ہے اور یہ کہ الکلی خان نے اپنی ماں کے اس فیصلے کو ناپسند کیا ہے اور وہ اس وقت اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ملتان ہی میں قیام کیے ہوئے ہے تب علاؤ الدین خلجی نے تخت وتاج پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

کڑہ سے نکل کر دہلی کا رخ کرنے سے پہلے علاؤ الدین خلجی نے اپنے سارے سالاروں اور امراء کو اپنے پاس بلایا اور انہیں بڑے بڑے اعلیٰ خطابات سے نوازا۔ کسی کو ظفر خان، کسی کو نصرت خان، کسی کو الغ خان اور کسی کو الپ

ارسلان کے خطابات سے نوازا۔ اس طرح جو چھوٹے سالار تھے انہیں بڑے عہدوں پر ترقی دی گئی انہیں جاگیروں سے نوازا گیا علاؤالدین خلجی کے پاس بے پناہ دولت تھی لہٰذا اس دولت کے بل بوتے پر اس نے اپنے امراء اور سالاروں کو خوب نوازا اور یہ دولت اس نے دیوگڑھ کے راجہ رام دیو پر حملہ آور ہونے کے بعد حاصل کی تھی۔

اب اتنی بڑی دولت لے کر اپنے لشکر کے ساتھ علاؤالدین خلجی کڑہ سے دہلی کا رخ کر گیا تھا۔ علاؤالدین کو یقین تھا کہ اس کے پاس ایسی دولت ہے جس کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا اس دولت کے بل بوتے پر وہ ناراض اور خفا امراء کو بھی نواز کر اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس بے شمار دولت کا مالک بننے کے بعد علاؤالدین خوش بھی تھا اور کڑہ سے دہلی کی طرف سفر کرتے ہوئے سفر کے دوران بھی اُس نے بڑی فراخدلی سے کام لیا اور اپنے ساتھیوں پر طرح طرح کی عنایات کیں وہ ہر روز اپنی بارگاہ میں بیٹھ کر اپنے ایک سالار نصرت خان کی رائے کے مطابق ہر خاص و عام سے ملاقات کرتا اور انہیں مال و دولت سے نوازتا اس کی سخاوت اور بخشش کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں اور سامان سے لدی ہوئی اونٹوں کی قطاروں کی قطاریں لوگوں کو تحفے میں دے دیتا تھا۔

بہر حال لوگوں کو نوازتے اور انہیں انعام و اکرام اور تحائف دے کر اپنے ساتھ ملانے میں علاؤالدین خلجی کسی قسم کی کمی نہ کرتا تھا کچھ مؤرخین یہاں تک لکھتے ہیں کہ کڑہ سے دہلی کی طرف سفر کرتے کرتے راستے میں علاؤالدین خلجی

جہاں بھی قیام کرتا وہاں ہر روز صبح وشام اس کے خیمے کے سامنے ایک ترازو لٹکا دیا جاتا تھا اور اس میں پانچ من اشرفیاں تول کر لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں علاؤالدین خلجی کی اس سخاوت کا شہرہ دور دور تک پھیلتا چلا گیا اور گرد و پیش کے علاقوں سے لوگوں کے لشکر اس کے پاس آ کر جمع ہونے لگے تھے۔

جب علاؤالدین خلجی اپنے لشکر اور دیگر ہمراہیوں کے ساتھ بدایوں پہنچا تب علاؤالدین خلجی کا مقابلہ کرنے کے لئے دہلی سے ایک لشکر نکلا۔ دہلی کا نیا سلطان جسے اس کی ماں ملکہ جہاں نے تاج و تخت کا وارث بنا دیا تھا جس کا نام اس نے رکن الدین ابراہیم رکھ دیا تھا اور جو ابھی کم عمر ہی تھا اس نے اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے ایک حماقت کی وہ خود تو علاؤالدین سے جنگ کرنے کے لئے آگے نہ بڑھا بلکہ اس نے اپنے کچھ امراء اور اراکین سلطنت کو ایک زبردست لشکر دے کر بدایوں کے قریب علاؤالدین خلجی پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔

اب یہ سارے امراء اور اراکین سلطنت خلوص دل کے ساتھ رکن الدین ابراہیم کے حامی نہ تھے لہٰذا جب علاؤالدین خلجی نے انہیں دولت اور انعام واکرام کی چمک دکھائی تو وہ سب کے سب رکن الدین ابراہیم کا ساتھ چھوڑ کر علاؤالدین خلجی کے طرف دار ہو گئے اور اس کے لشکر میں جا لے تھے۔

جب انہوں نے یہ قدم اٹھایا تو علاؤالدین نے ان پر دولت کی بوچھاڑ کر دی اور یہ لوگ اس کی جاں نثاری کا دم بھرنے لگے اس کے نتیجے میں علاؤالدین کے لشکر میں لگ بھگ ساٹھ ہزار افراد کا اضافہ ہو گیا۔ دہلی کے نئے نوعمر سلطان رکن الدین ابراہیم نے جو لشکر علاؤالدین کا مقابلہ کرنے کے لئے بھجوایا تھا وہ تتر

بتر ہو گیا لہٰذا علاؤ الدین خلجی اپنے لشکر میں خاصا اضافہ کرنے کے بعد اب بدایوں سے دہلی کی طرف بڑھا تھا۔

مقتول سلطان جلال الدین کی بیوہ ملکہ جہاں کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے پریشان ہو کر ایک تیز رفتار قاصد ملتان میں اپنے بڑے بیٹے الکلی خان کی طرف روانہ کیا جب یہ قاصد ملتان پہنچا اور صورتِ حال سے اس نے مقتول سلطان جلال الدین کے بڑے بیٹے الکلی خان کو آگاہ کیا تو اس نے جو جواب دیا وہ بڑا مایوس کن تھا۔

اپنی ماں کی پیشکش کے جواب میں الکلی خان نے کہا تھا۔

"اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے لشکر دشمن سے مل چکا ہے شاہی خزانے میں اتنی دولت نہیں رہی کہ لشکریوں کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی دی جائے اس صورت حال میں میرے آنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔"

یہ صورتِ حال یقیناً علاؤ الدین خلجی کے لئے حوصلہ افزا تھی لہٰذا بدایوں سے دہلی کی طرف بڑھنے میں اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی راستے میں وہ کہیں رکا نہیں بلکہ دہلی پہنچنے میں اس نے بڑی سرعت سے کام لیا اور جلد از جلد دریائے جمنا کو پار کر کے باغ جود والے دروازے کے سامنے دریا اور شہر کے درمیانی میدان میں خیمہ زن ہوا باغِ جود پرانی دہلی کے مشہور باغ کا نام ہے اسے جود باغ بھی کہا جاتا تھا۔

دہلی کا نیا اور نو عمر سلطان رکن الدین ابراہیم عجیب شش و پنج کے عالم میں مبتلا تھا۔ تاہم اس نے ہمت کر کے شہر کے اندر جو لشکر تھا اسے تیار کیا اور علاؤ

الدین خلجی کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلا۔

شہر سے باہر نکل کر رکن الدین نے جب دیکھا کہ علاؤ الدین خلجی کے پاس تو اس قدر لشکری جمع ہو چکے ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ وہ لشکر جسے وہ ساتھ لے کر شہر سے نکلا ہے اور علاؤ الدین پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس کی حیثیت تو علاؤ الدین کے لشکر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا اس نے اندازہ لگالیا کہ وہ علاؤ الدین خلجی کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے مجبوراً واپس لوٹ گیا اور دہلی میں بند ہو گیا تھا۔

اس رات مرحوم اور مقتول سلطان جلال الدین خلجی کے عہد کے بہت سے امراء رکن الدین کا ساتھ چھوڑ کر راتوں رات علاؤ الدین خلجی سے جاملے اب رکن الدین کے لئے سوائے فرار کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا لہٰذا اس نے اپنی ماں، بہنوں اور خزانے کا تھوڑا بہت حصہ لیا اور اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ جن میں حبیب خان، قطب علوی، امیر جلال نمایاں تھے ان کے ہمراہ ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ علاؤ الدین نے رکن الدین ابراہیم سے کوئی تعرض نہ کیا اس کی روانگی کے بعد شہر کے تمام شرفاء اور رؤسا علاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علاؤ الدین کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا اس طرح جلال الدین خلجی کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا علاؤ الدین خلجی ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بنا۔

دہلی کے تاج وتخت کا مالک بننے کے بعد علاؤالدین خلجی نے ایک جشن مسرت منعقد کیا جو تین روز تک جاری رہا۔ اس جشن میں عام لوگوں نے بھی بڑھ چڑھ کر بڑی خوشی سے حصہ لیا۔ شہر کو سجا کر اور عیش وعشرت کی محفلیں برپا کی گئیں حکمرانوں اور رعایا نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اس موقع پر مؤرخین لکھتے ہیں کہ دہلی کے ہر کوچے میں شراب کی سبیلیں کھول دی گئیں اور چاروں طرف عیش وعشرت کا دور دورہ برپا کر دیا گیا تھا۔

خوشی کے اس موقع پر علاؤالدین خلجی نے بھی جی کھول کر عیش وعشرت کے اس ہنگامے میں حصہ لیا اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے اور ان کے دل سے جلال الدین خلجی کی بے گناہی کی موت کا غبار اتارنے کے لئے انہیں خوب نوازا۔ اس ہنگامے کے بعد علاؤالدین خلجی نے بہت سے امراء اور درباریوں کی طرف توجہ دی ان میں سے اکثر کو کسی نہ کسی عہدے اور منصب پر مقرر کیا بہت سوں کو اعلیٰ خطابات سے نوازا گیا۔

عیش وعشرت کے اس ہنگامے اور لوگوں کو نوازنے اور انہیں اپنے ساتھ ملانے کے بعد علاؤالدین خلجی نے اب امور سلطنت کی طرف توجہ دی تھی سب سے پہلے اس نے اوقاف کی آمدنی اس کے حقداروں کو دے کر انہیں خوش کیا

ساتھ ہی اس نے تمام لشکریوں اور شاہی ملازمین کو چھ مہینے کی پیشگی تنخواہ ادا کردی اس کے علاوہ انعامات سے بھی انہیں نوازا گیا۔

اب دہلی اور گردونواح کے بھی لوگ اور لشکری علاؤالدین خلجی کی وفاداری کا دم بھرنے لگے تھے اوران تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد علاؤالدین نے جلال الدین خلجی کی اولاد کی تباہی اور بربادی کی طرف توجہ دی۔

لہٰذا اس نے اپنے دو سالاروں الماس بیگ اور ظفر خان کی سرکردگی میں چالیس ہزار کا ایک لشکر ملتان کی طرف روانہ کیا۔

ملتان میں اس وقت مقتول سلطان جلال الدین خلجی کی بیوہ ملکہ جہاں اس کے دو بیٹوں الکلی خان اور قدر خان کے علاوہ جلال الدین خلجی کے داماد الغو خان نے بھی قیام کیا ہوا تھا۔ یہ الغو خان منگولوں کے سربراہ چنگیز خان کا نواسا بھی تھا۔

بہر حال علاؤالدین کے دونوں سالاروں الماس بیگ اور ظفر خان نے اپنے چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ ملتان کا محاصرہ کرلیا تھا چند ہفتوں تک ملکہ جہاں اور اس کے دونوں بیٹے الکلی خان، قدر خان اور داماد الغو خان مدافعت کرتے رہے شہر کے اندر محصور رہے آخر جب محاصرے کو دو مہینے گزر گئے تب اہل ملتان اور ملتان کے اندر جو لشکر تھا اس نے الکلی خان اور اس کے بھائی قدر خان کا ساتھ چھوڑ دیا اور اندر ہی اندر خفیہ طور پر علاؤالدین کے سالاروں کے ساتھ گفت وشنید اور ساز باز کرنے لگے تھے۔

جب الکلی خان اور اس کے بھائی قدر خان کے سالار اور سرکردہ امراء ہی

حملہ آوروں کے ساتھ ساز باز کرنے لگے تب وہ دونوں بھائی بڑے مایوس ہوئے اب ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ علاؤالدین خلجی کے سالار الماس بیگ اور ظفر خان کے ساتھ رابطہ قائم کرتے ہوئے صلح اور فرمانبرداری کی گفتگو کریں۔ اس مقصد کے لئے شیخ رکن الدین ملتانی کو بیچ میں ڈالا گیا اور ان کے کہنے پر الکلی خان، قدر خان اور ان کا بہنوئی الغو خان، علاؤ الدین خلجی کے سالار الماس بیگ اور ظفر خان سے ملے انہوں نے تینوں کی بڑی قدر دانی کی، احترام کے ساتھ ان کے ساتھ پیش آئے اور اپنے خیموں کے قریب ہی ان کی رہائش کے لئے خیمے نصب کیے گئے۔

الکلی خان قدر خان اور الغو خان نے ملتان سے نکل کر الماس بیگ اور ظفر خان کے پاس چلے جانے کے بعد ملتان پر علاؤالدین خلجی کے سالاروں کا قبضہ ہو گیا تھا مقتول بادشاہ جلال الدین خلجی کی بیوہ بھی اپنے بیٹوں اور داماد کے ساتھ خیمہ گاہ میں آ گئی تھی۔ اس موقع پر الماس بیگ اور ظفر خان نے تیز رفتار قاصد علاؤالدین خلجی کی طرف روانہ کیے ساتھ ہی تحریری طور پر ملتان کی فتح کے حالات بھی رقم کر دیئے۔

جب یہ فتح کی خبر دہلی پہنچی تو تمام مسجدوں میں فتح نامہ پڑھ کر سنایا گیا اس خوشی میں شہر کو دلہن کی طرح سجا کر خوشیوں کی محفلیں منعقد کی گئیں۔

الماس بیگ اور ظفر خان نے ملتان کو فتح کرنے کے بعد چند روز تک وہاں قیام کیا اس دوران ملتان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے ظفر خان نے ملتان کے والی کی حیثیت سے وہیں قیام کیا۔ جبکہ الماس بیگ اپنے لشکر کے

ساتھ ملتان سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔اب الماس بیگ کے لشکر میں جلال الدین خلجی کی بیوہ ملکہ جہاں اور اس کے دو بیٹوں اور داماد کے علاوہ اور بہت سے امراء اور رشتہ دار بھی شامل تھے۔

ملتان سے دہلی کی طرف سفر کرتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ الماس بیگ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اسے دہلی سے احکامات ملے ان احکامات کے تحت الماس بیگ نے جلال الدین خلجی کے بیٹوں اور داماد الغوخان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر انہیں بینائی سے محروم کر دیا حبیب احمد جو جلال الدین خلجی کے انتہائی وفادار امراء میں سے تھا اسے بھی اندھا کر دیا گیا۔ان لوگوں کے سارے مال واسباب پر قبضہ کرلیا گیا اور انہیں ہانسی شہر کے قلعے میں بند کرنے کے لئے بھجوا دیا گیا لشکر میں جلال الدین خلجی کے بیٹے الکلی خان کے دو بیٹے بھی شامل تھے انہیں قتل کر دیا گیا جلال الدین خلجی کی بیوہ ملکہ جہاں اور اس کی بہوؤں کو دہلی کے زندان میں ڈال دیا گیا تھا۔

ان کامیابیوں کے بعد علاؤ الدین خلجی نے نصرت خان کو اپنا وزیر مقرر کیا۔نصرت خان نے یہ عہدہ حاصل کرتے ہی علاؤ الدین خلجی کے امیروں اور درباریوں سے وہ مال واسباب واپس لینا شروع کر دیا جو علاؤ الدین خلجی نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں سیاسی مصلحت کی بناء پر انہیں خوش کرنے کے لئے تقسیم کیا تھا اور یہ سارا مال شاہی خزانے میں جمع کروا دیا گیا۔ساتھ ہی علاؤ الدین خلجی نے اپنے ایک ہم نام ملک علاؤ الدین کو اپنی سلطنت کا کوتوال مقرر کیا اور اسے علاء الملک کا خطاب دیا گیا تھا۔

اس دوران علاؤ الدین خلجی کے لئے ایک مصیبت اور دشواری اٹھ کھڑی ہوئی اس لئے کہ منگولوں نے ہندوستان پر حملہ کر دیا تھا منگولوں کا ایک لاکھ کا لشکر اپنے سالار دردہ خان کی سرکردگی میں شمال کے برفستانوں کی طرف سے نمودار ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ منگولوں کے سالار اور ان کے لشکریوں کا ارادہ یہ تھا کہ ہندوستان میں داخل ہو کر کم از کم پنجاب تک کے سارے علاقے کو فتح کر کے اور لاہور پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی جائے۔

اب منگولوں کے ایک لاکھ کے لشکر کا مقابلہ کرنا کوئی آسان نہ تھا اور منگولوں کا یہ ٹڈی دل لشکر آندھی اور طوفان کی طرح ہندوستان میں داخل ہوتے ہوئے آگے بڑھنا شروع ہوا تھا۔ یہاں تک کہ دریائے سندھ کو عبور کر کے انہوں نے لوٹ مار، تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ جو علاقہ بھی ان کے سامنے آتا وہ پورے کا پورا لوٹ لیتے اور تباہ و برباد کر دیتے تھے۔

علاؤ الدین خلجی کو جب خبر ہوئی کہ منگولوں کا ایک لاکھ کا لشکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے انہوں نے تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کیا ہے، تب وہ بڑا برہم ہوا اس نے منگولوں پر حملہ آور ہو کر انہیں عبرتناک سزا دینے کا تہیہ کر لیا تھا لہٰذا بڑی تیزی کے ساتھ اس نے ایک لشکر تیار کیا۔ یہ لشکر بڑی برق رفتاری سے لاہور کی طرف بڑھا اتنی دیر تک منگولوں کا ایک لاکھ کا لشکر یلغار کرتا ہوا لاہور کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لہٰذا لاہور کے نواح میں علاؤ الدین خلجی اور منگولوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں علاؤ الدین کے لشکر نے ان گنت منگولوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا اور حیرت کی بات یہ کہ علاؤ الدین کے لشکر

نے منگولوں کو بدترین شکست دی۔ تقریباً بارہ ہزار منگولوں کو اس جنگ کے دوران قتل کر دیا گیا بہت سے منگول امراء سردار گرفتار کر لیے گئے اور قید ہونے والوں کو عبرتناک سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ باقی منگول شکست اٹھا کر جدھر سے آئے تھے ادھر ہی بھاگ گئے منگول سرداروں اور امراء کے بیوی بچے بھی ان کے ساتھ تھے لہٰذا ان سب کو گرفتار کر کے دہلی بھجوا دیا گیا۔

منگولوں کے ایک لاکھ کے لشکر کو شکست دینے سے پورے علاقے میں علاؤالدین خلجی کے رعب اور اس کے جلال کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ جلال الدین خلجی کی اولاد کی گرفتاری اور اس کے بعد منگولوں کی شکست کی وجہ سے چاروں طرف علاؤالدین خلجی کا بول بالا ہوا اس کی عظمت کا سکہ سب کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ آس پاس کے علاقوں کے حکمران علاؤالدین کا نام سن کر ہی تھرانے لگے تھے اب صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی تھی کہ علاؤالدین کا لشکر جس طرف بھی رخ کرتا فتح اور نصرت اس کے قدم چومتی۔

اس قدر کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد علاؤالدین خلجی نے ایک اور قدم اٹھایا۔ اب وہ ان امراء کو سزا دینا چاہتا تھا جنہوں نے مقتول سلطان جلال الدین کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور جلال الدین کا ساتھ چھوڑ کر علاؤالدین خلجی کے ساتھ مل گئے تھے۔ علاؤالدین جانتا تھا کہ اگر یہ لوگ جلال الدین کا ساتھ چھوڑ کر اس کا ساتھ دے سکتے ہیں تو کل اس کا ساتھ چھوڑ کر کسی اور کے ہمنوا بھی بن سکتے ہیں ان امیروں اور امراء سے نبٹنے کے لئے علاؤالدین خلجی نے اپنے بھائی الغ خان کو مقرر کیا۔

لہٰذا الغ خان کے مشورے سے ان تمام امراء کی طرف توجہ دی گئی جنہوں نے لالچ اور طمع میں آ کر جلال الدین خلجی کی اولاد سے بے وفائی کر کے اپنی عاقبت اور دنیا دونوں کو خراب کرلیا تھا۔ ایسے تمام نمک حراموں اور امیروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ بیشتر کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر انہیں بینائی سے محروم کردیا گیا اور بہت سوں کو مختلف قلعوں میں قید کردیا گیا تھا۔

ان تمام امراء کے مال و دولت پر قبضہ کر کے تقریباً ایک کروڑ روپیہ شاہی خزانے میں جمع کیا گیا۔ جلال الدین خلجی کے صرف تین امراء کو زندہ رکھا گیا ان میں قطب الدین علوی، ملک نصیر الدین اور ملک جلال الدین شامل تھے۔ ان سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی گئی کیونکہ یہ بڑے وفادار اور بے ضرر سے امیر تھے۔ ساتھ ہی انہوں نے جلال الدین خلجی کی اولاد کے ساتھ کوئی بے وفائی نہ کی تھی اور نہ ہی علاؤ الدین سے اس سلسلے میں کوئی معاوضہ یا صلہ لیا تھا لہٰذا یہ تینوں امیر زندگی بھر عزت اور شادمانی کے ساتھ اپنا وقت گزارتے رہے۔

غدار امیروں سے نبٹنے، منگولوں کو بدترین شکست دینے اور اپنے حالات کافی حد تک درست کرنے کے بعد اب علاؤ الدین خلجی نے اپنی سلطنت میں وسعت پیدا کرنے کا تہیہ کرلیا تھا۔ لہٰذا ہجری چھ سو ستانوے کے شروع میں اس نے اپنے سالار الماس بیگ اور نصرت خان کی سرکردگی میں ایک لشکر دیا بہت سے سالاروں کو ان کے ماتحت کیا اور انہیں گجرات پر حملہ آور ہو کر اسے فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔

علاؤ الدین خلجی کا لشکر روانہ ہوا، گجرات کا رخ کیا نہروالا اور گجرات کے

مختلف علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے ان علاقوں میں علاؤ الدین کے لشکر نے تباہی و بربادی کا بازار گرم کر کے اسے فتح کرلیا۔ نہر والا کا راجہ رائے کرن، دکن کے حکمران راجہ رام دیو کی طرف بھاگ گیا اور اس کے ہاں پناہ گزین ہوا لیکن اس کی بدبختی کہ حملے اور فرار کے دوران راجہ رائے کرن کی رانیوں اور اس کے خزانے اور ہاتھیوں وغیرہ پر قبضہ کرلیا گیا تھا۔ رائے کرن کی رانیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور قابل توجہ کنول دیوی تھی یہی کنول دیوی بعد میں علاؤ الدین خلجی کے حرم میں داخل ہوئی اور اسلام قبول کرلیا تھا۔

رائے کرن کو علاؤ الدین خلجی کے لشکر کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے اپنے علاقوں سے بھاگ کر دکن کے راجہ رام دیو کی طرف چلا گیا تھا اور اپنی رانیوں اور خزانے اور دوسری بہت سی اشیاء سے محروم ہو گیا تھا لیکن کچھ دنوں بعد رائے کرن حرکت میں آیا اور رام دیو کی مدد سے اس نے گجرات کے ایک علاقے بگلانہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں اپنے ایک لشکر کے ساتھ مقیم ہو گیا۔

بہر حال اس مہم میں علاؤ الدین خلجی کا لشکر پوری طرح کامیاب رہا۔ گجرات پر ان حملوں کے دوران علاؤ الدین خلجی کے لشکر کے ہاتھ ایک ایسا بت لگا جو سومنات کے اس بت سے ملتا جلتا تھا جسے عالم اسلام کے عظیم سلطان محمود غزنوی نے حملہ کروا کر توڑا تھا اور اس بت کو بھی اس بت کے ہم مرتبہ سمجھا جاتا تھا جو سلطان محمود غزنوی کے دور میں تھا۔

علاؤ الدین خلجی کے سالاروں نے اس بت کو اٹھالیا اور اپنے ساتھ دہلی لے گئے وہاں گلیوں میں اسے پامال کیا گیا تا کہ لوگوں کے پاؤں تلے آ کر اس

کی ظاہری شان وشوکت اور عظمت پامال ہو۔

گجرات کو فتح کرنے کے بعد علاؤ الدین خلجی کا لشکر گجرات سے روانہ ہو کر کدپایت پہنچا اور اس علاقوں کے باشندوں سے خوب مال و دولت حاصل کیا۔ انہیں علاقوں میں وہ غلام بھی ہاتھ لگا جس نے آنے والے دور میں ملک کافور کی حیثیت سے خوب ترقی کی اور علاؤ الدین کی سلطنت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا اس طرح علاؤ الدین خلجی کے لشکر کی یہ مہم خوب کامیاب رہی اور گجرات کی اس مہم کے دوران علاؤ الدین کے لشکر کے ہاتھ بے شمار زر و جواہرات اور دیگر سامان لگا اور یہ سارا سامان لے کر لشکر دہلی کی طرف روانہ ہوا تھا۔

دہلی کی طرف سفر کرتے ہوئے علاؤ الدین خلجی کا یہ لشکر جب راجپوتانہ کی ریاست جودھ پور کے ایک قلعے جالور کے قریب پہنچا تو انہوں نے اپنے لشکر کے کچھ سالاروں اور لشکریوں کو لعنت ملامت کی اس لئے کہ انہوں نے اپنے طور پر ہی مال غنیمت کا پانچواں حصہ آپس میں تقسیم کر لیا تھا الماس بیگ اور نصرت خان نے ان سے شدید باز پرس کی بلکہ اس سلسلے میں بڑی سختی سے کام لیا۔

اب حالات کی ستم ظریفی کہ ان کے لشکر میں اس موقع پر بہت سے نومسلم منگول لشکری بھی شامل تھے جن کا سردار ان دنوں محمد شاہ تھا مال غنیمت کی وجہ سے الماس بیگ اور نصرت خان کے باز پرس کرنے پر وہ نومسلم منگول بڑے برہم ہوئے لہٰذا محمد شاہ نے اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے بہت سے لشکریوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا اس طرح لشکر کے اندر اس نے اچھی خاصی طاقت اور قوت حاصل کر لی اور یہ فیصلہ کر لیا کہ لشکر کے تین بڑے سالاروں یعنی نصرت خان، عزیز

الدین، الماس بیگ تینوں کو ہلاک کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد محمد شاہ اپنے باغی ساتھیوں کے ساتھ حرکت میں آیا۔ پہلے عزیز الدین پر حملہ آور ہوا، عزیز الدین کو قتل کرنے کے بعد وہ الماس بیگ کے خیمے کی طرف بڑھے۔

الماس بیگ کو اتنی دیر تک باغیوں کے ارادوں سے آگاہی ہو چکی تھی الماس بیگ کے پاس علاؤالدین خلجی کا بھانجا بھی موجود تھا جب باغیوں کی ان کارروائیوں کا علم الماس بیگ کو ہوا تو وہ اپنے خیمے کے دوسرے دروازے سے نکل کر نصرت خان کے خیمے کی طرف بھاگ گیا مؤرخین لکھتے ہیں کہ الماس بیگ کا ابھی برا وقت نہ آیا تھا اور خداوند تعالیٰ کو اس کا زندہ رکھنا منظور تھا اس لئے وہ اپنے خیمے کی دوسری طرف سے نکل کر بھاگ گیا اور نصرت خان کے خیمے میں داخل ہوا تاہم باغیوں نے اس کے خیمے میں داخل ہو کر علاؤالدین کے بھانجے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب الماس بیگ بھاگتا ہوا نصرت خان کے خیمے میں داخل ہوا اور صورت حال سے آگاہ کیا تو نصرت خان نے اسی وقت جنگ کے نقارے بجوا دیئے تھے۔

نقاروں کی آواز سن کر لشکری یہ سمجھے کہ قلعہ جالور کے راجہ یا کسی اور دشمن نے حملہ کر دیا ہے لہٰذا ان لشکریوں نے اس خیال کے پیش نظر جلدی جلدی اپنے آپ کو مسلح کر کے جنگ کی تیاری کر لی اور یہ سارے لشکری بڑی برق رفتاری سے نصرت خان کے خیمے کی طرف بھاگے جب انہیں پتہ چلا کہ لشکر کے اندر کچھ

لوگوں نے بغاوت کر کے ایک المیہ کھڑا کر دیا ہے تب وہ باغیوں کے خلاف حرکت میں آئے اکثر باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا باقی تتر بتر ہو کر بھاگ گئے اس طرح جالور کے مقام پر لشکر کے اندر اٹھنے والی بغاوت کو ختم کر دیا گیا اور الماس بیگ اور نصرت خان اپنے لشکر کو لے کر دہلی کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

جب یہ فتح مند لشکر دہلی پہنچا اور راجہ رائے کرن کی رانی کنول دیوی کی ملاقات علاؤالدین خلجی سے ہوئی تو اس نے دیکھا کہ کنول دیوی جہاں انتہا درجہ کی خوبصورت تھی وہاں اخلاق و عادت، شیریں کلامی، خوش گفتاری اور دلربا اداؤں کی وجہ سے اپنا جواب آپ تھی اس کی گفتگو، اس کی عادات اور خصلتوں سے علاؤالدین متاثر ہوا اور اسے مسلمان کر کے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا اس کے علاوہ اس نے اس جنگ کے دوران ہاتھ آنے والے غلام ملک کافور کو بھی خوب نوازا اس کے بعد وہ راستے میں بغاوت کرنے والے سالاروں کی طرف متوجہ ہوا جو سالار اس میں ملوث تھے انہیں گرفتار کر لیا گیا اور انہیں اس سلسلے میں سخت ترین سزائیں دی گئیں۔

اب علاؤالدین خلجی کی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ ہو چکا تھا گجرات کو فتح کرنے کے بعد اس کی سلطنت جنوب میں دور تک پھیل گئی تھی اس دوران منگولوں کی طرف سے علاؤالدین خلجی کے لئے دو مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔

پہلا مسئلہ سیوستان میں اٹھا ایک منگول سردار نام۔ جس کا چلدی تھا ایک لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور سیوستان یعنی سندھ کے شمالی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ علاؤ

الدین اس صورتِ حال سے بڑا برہم ہوا ایک لشکر اپنے سالار ظفر خان کو دے کر بڑی دھوم دھام اور بڑی شان و شوکت سے رخصت کیا تا کہ منگول سالار چلدی پر حملہ آور ہو کر اس کے کیے کی سزا دی جائے۔

ظفر خان اس لشکر کو لے کر بڑی برق رفتاری سے شمالی سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ شمالی سندھ میں منگولوں اور ظفر خان کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی ظفر خان گو ملتان کا ایک جاگیردار تھا لیکن جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا دلیری، شجاعت اور جرأت مندی میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا شمالی سندھ میں منگولوں کے ساتھ اس کا خوفناک ٹکراؤ ہوا اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ظفر خان نے منگولوں کو بدترین شکست دے کر انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ شمالی سندھ کو ان سے خالی کروالیا اور دشمن کو شکست دینے کے بعد منگولوں کے لگ بھگ ایک ہزار سات سو افراد کو قیدی بنا کر فتح اور کامرانی کے نقارے بجاتا ہوا دہلی واپس آ گیا۔

منگولوں کی طرف سے علاؤالدین خلجی کے لئے دوسرا مسئلہ یہ اٹھا کہ ماضی میں ایک منگول سردار دردہ خان ایک لاکھ کا لشکر لے کر ہندوستان میں داخل ہوا تھا جسے لاہور کے نواح میں علاؤالدین خلجی نے بدترین شکست دی تھی بہت سے منگولوں کو ہلاک کر دیا تھا اور باقی بھاگ گئے تھے۔ اب اسی دردہ خان کا بیٹا نام جس کا قتلق خواجہ تھا اس بار وہ دو لاکھ کا عظیم لشکر لے کر ہندوستان میں داخل ہوا اس نے نا صرف علاؤالدین خلجی سے اپنے باپ کی شکست کا انتقام لینے کا تہیہ کر لیا بلکہ اس کا ارادہ تھا کہ دہلی تک کے سارے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں وہ اپنی حکومت قائم کرے گا۔

اس مقصد کے لئے تغلق خواجہ دو لاکھ کے لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح یورش کرتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد اس نے پیش قدمی کرنی شروع کی۔

اس سے پہلے جب اس کا باپ دردہ خان ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوا تھا تو جو قصبہ، جو شہر اور جو علاقہ بھی اس کے سامنے آیا تھا اس کی لوٹ مار تباہی اور بربادی کرتا چلا گیا تھا لیکن تغلق خواجہ نے ایسا نہیں کیا۔

جس جس راستے، جس جس شاہراہ سے وہ گزرا اس شاہراہ کے کنارے جو بھی شہر اور قصبے آئے اس نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ نہ راستے میں کسی شہر اور قصبے کو نقصان پہنچایا دراصل وہ ہندوستان کی آبادی سے انتقام لینے نہیں آیا تھا۔ وہ تو ہندوستان پر حکومت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ علاؤالدین کو تخت و تاج سے محروم کر کے وہ خود دہلی کے تخت کا وارث بن کر ان سارے علاقوں پر حکومت کرنے کا خواہاں تھا جو اس وقت علاؤالدین خلجی کی مملکت میں شامل تھے۔

لٰہذا دریائے سندھ کو عبور کر کے ان قصبوں اور دیہاتوں کو جو راستے میں آباد تھے اپنی ملکیت سمجھ کر آگے بڑھتا رہا۔ کسی پر کسی قسم کا حملہ نہ کیا بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ مسافتوں کو سمیٹتا ہوا وہ آندھی اور طوفان کی طرح دریائے جہلم، چناب، دریائے راوی، ستلج، بیاس کو عبور کرتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے جا پہنچا۔

تغلق خان دو لاکھ کے لشکر کے ساتھ دریائے جمنا کے کنارے وسیع میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔ تغلق خان کی آمد کا سن کر دہلی اور

اس کے گردنواح کے لوگ اس سے خوفزدہ ہو کر دہلی شہر میں داخل ہو گئے تھے اس طرح بے شمار لوگوں کے شہر میں پناہ گزین ہونے سے شہر کی آبادی میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا۔

گلی کوچے اور مسجدیں وغیرہ خلقِ خدا سے اس حد تک بھر گئی تھیں کہ اللہ کی پناہ۔ دہلی کے اصل باشندے اس ہجوم سے بہت گھبرا گئے اور اس طرح آنے جانے اور رسد ورسانی کے راستے بند ہو گئے تھے۔

مزید یہ کہ شہر میں کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں میں بھی زبردست اضافہ ہو گیا تھا اس طرح آہستہ آہستہ دہلی کے لوگوں کی حالت خراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے علاؤ الدین خلجی نے اپنے سارے امراء سالاروں اور اراکین سلطنت کا اجلاس طلب کر لیا اور قتلق خان کے سلسلے میں ان سے مشورہ اور صلاح طلب کی۔

کہتے ہیں اس موقع پر علاؤ الدین خلجی کے بعض امراء نے علاؤ الدین کو جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا اور ہندوستانی لشکر کی کمزوریوں کو مناسب طریقے سے بیان کر کے اشارتاً یہ بھی کہہ دیا کہ جنگ میں شکست اور فتح دونوں ہی ممکن ہیں۔

اپنے ان سالاروں کا یہ جواب سن کر علاؤ الدین خلجی نے برہمی کا اظہار کیا علاؤ الدین ترک تھا ترک جہاں جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے وہاں وہ منگولوں کے طریقہ جنگ سے خوب واقف تھے اس لئے کہ وہ منگولوں کے ہمسائے تھے اس موقع پر علاؤ الدین نے اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"عظیم الشان بادشاہوں کے لئے جنگ سے خوفزدہ ہونا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔"

اس کے بعد علاؤالدین خلجی نے کسی سے مشورہ نہیں کیا سب سے پہلے اس نے شہر کے قلعے اور خزانے کی ذمہ داری اپنے کوتوال علاء الملک کے سپرد کی۔ دہلی شہر کے سارے دروازے اس نے بند کروادیئے صرف بدایوں دروازے کو کھلا رکھا گیا۔ اس کے بعد علاؤالدین خلجی منگول سالار کا مقابلہ کرنے کے لئے تین لاکھ سواروں اور دو ہزار سات سو ہاتھیوں کا لشکر لے کر بڑی شان وشوکت کے ساتھ شہر سے نکلا۔

شہر کے نواح میں کھلے میدانوں کے اندر دونوں لشکروں نے اپنی اپنی صفیں مرتب کیں۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے آغاز سے لے کر علاؤالدین خلجی کے دور تک ایسے عظیم الشان اور بڑے لشکر کبھی ایک دوسرے کے مقابل نہ ہوئے تھے منگولوں کے سامنے آنے کے بعد علاؤالدین خلجی نے اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کیا اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا ایک حصے کا کماندار پنجاب اور ملتان کے حاکم ظفر خان کو بنایا، دوسرے حصے کی کمانداری اپنے بھائیوں الماس بیگ اور رکن خان کے سپرد کی تیسرا حصہ اپنے پاس رکھا اس کے بعد منگولوں سے جنگ کی ابتداء کردی گئی تھی۔

اس طرح علاؤالدین خلجی اپنے تینوں لشکروں کے ساتھ منگولوں سے ٹکرا گیا تھا۔

کہتے ہیں حملے کی ابتداء علاوَالدین خلجی کے امیر اور پنجاب کے حاکم ظفر خان نے کی ظفر خان بقول مؤرخین ایسے خونخوار اور ایسے جان لیوا انداز میں منگولوں پر حملہ آور ہوا کہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اس نے منگولوں کے لشکر کے ایک حصے پر ضربیں لگاتے ہوئے اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا ظفر خان کی یہ جرأت اور ہمت دیکھتے ہوئے علاوَالدین خلجی اور دوسرے سالار بھی منگولوں پر ٹوٹ پڑے تھے اس طرح دہلی کے نواح میں ہولناک جنگ ہوئی اس جنگ کے نتیجے میں چاروں طرف منگولوں کی لاشوں سے میدان جنگ بھر گیا تھا۔

علاوَالدین اور اس کے سالاروں کی طرف سے خوفناک حملے کے نتیجے میں منگولوں کو بدترین شکست ہوئی اور علاوَالدین کے لشکر نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔

کہتے ہیں اس جنگ میں پنجاب کے حاکم ظفر خان کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے منگولوں کے سپہ سالار قتلق خان نے اس کی طرف پیغام بھجوایا تھا کہ تم علاوَالدین کو چھوڑ کر میرے پاس آ جاؤ میں علاوَالدین کی نسبت تمہاری زیادہ عزت افزائی کروں گا اور تمہیں اس عہدے سے کہیں بڑا عہدہ عطا کروں گا جو تمہیں علاوَالدین خلجی کے پاس حاصل ہے لیکن ظفر خان نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

اب ظفر خان کی یہ بدقسمتی کہ جب منگولوں کو بدترین شکست ہوئی اور علاوَالدین خلجی کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا تو ایک موقع پر کچھ منگولوں نے ظفر خان کو گھیر لیا۔ کچھ منگول کمین گاہ اور گھات میں بیٹھے ہوئے تھے وہ باہر نکلے اور ظفر

خان کے گھوڑے کی انہوں نے ٹانگیں کاٹ دیں اس طرح ظفر خان اپنے گھوڑے سے گر پڑا اوران منگولوں کے ہاتھوں مارا گیا منگولوں کے خلاف علاؤ الدین اوراس کے سالاروں کی یہ شاندار فتح تھی۔ اس جنگ کے دوران علاؤ الدین خلجی کے لشکر کا ایک سالار منگولوں کے ڈر سے میدان جنگ سے بھاگ کر شہر میں بھی آ گیا تھا بہرحال اس فتح کے بعد علاؤ الدین واپس شہر آیا جشن کی محفلیں منعقد کی گئیں اور امراء کو جو منگولوں کے مقابلے میں بڑی جرأت مندی اور بہادری سے لڑے تھے انہیں اعزاز واکرام سے نوازا گیا وہ سالار جو جنگ سے بھاگ کر دہلی میں داخل ہو گیا تھا علاؤ الدین نے ان سالار کو گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں اس کی تشہیر کروائی تھی۔

تخت نشین ہونے کے بعد علاؤالدین خلجی کو چونکہ لگاتار کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل ہوتی رہیں تھیں لہٰذا ان تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کے بعد علاؤالدین کے دل میں طرح طرح کے عجیب و غریب خیالات آنے لگے ان کامیابیوں کی وجہ سے ایک طرح سے اس کا دماغ خراب ہونے لگا۔ ان دنوں اپنے آپ سے باہر ہو کر وہ یہ سوچنے لگ گیا تھا کہ جس طرح حضورؐ نے اپنی قوت اور شوکت سے شریعت قائم کی اور ان کے چاروں خلفاء نے شریعت کو مضبوط بنایا اس طرح اگر وہ بھی اپنے چار امراء یعنی الماس بیگ، الغ خان، نصرت خان اور الپ ارسلان کی قوت اور سہارے کے بل پر ایک نیا مذہب جاری کرے تو یقیناً روز قیامت تک اس کا نام باقی رہے گا۔

علاؤالدین شراب کی محفلوں میں بھی اکثر و بیشتر اپنے اسی خبط کا ذکر کیا کرتا تھا اور اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ وہ ان لوگوں سے یہ بھی پوچھتا رہتا تھا کہ آخر کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ میرا جاری کیا ہوا نیا مذہب محدثین اور اہل علم کی نگاہوں میں وقار حاصل کر لے اور ان کے حلقے میں مروج ہو جائے۔

علاؤالدین کا دوسرا خام خیال یہ تھا کہ شاہی خزانے میں بے شمار دولت ہے ہاتھی اور گھوڑوں وغیرہ کی بھی کثرت ہے۔ اس لئے علاؤالدین یہ چاہتا تھا

کہ دہلی کی حکومت کسی قابل اعتماد سالار اور امیر کے سپرد کر کے خود سکندر اعظم کی طرح ساری دنیا کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہو جائے۔

اس کا ارادہ یہ تھا کہ سب سے پہلے خراسان، ماوراالنہر اور ترکستان فتح کر کے وہاں کے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرے ایسا علاؤ الدین اس لئے کرنا چاہتا تھا کہ وہ ترک تھا اور خراسان، ماوراالنہر اور ترکستان کے علاقے اس کے آباؤ اجداد کے تھے لہٰذا وہ پہلے ان پر ہی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

اس کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ پوری دنیا کو فتح کر کے اپنے قدموں میں ڈال دے وہ یہ بھی ارادہ کیے ہوئے تھا کہ روم، فارس، عراق، عرب، عجم، شام اور افریقہ کے ممالک کو بھی فتح کر کے اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دے اور وہاں اپنے نئے مذہب کو مروج کرے اور سکندر کی طرح اپنی جہانگیری اور جہانداری کا چرچا کرے۔

علاؤ الدین خلجی جب اپنے ان تمام خیالوں کا تذکرہ اپنے امراء اور اراکین سلطنت سے کرتا تو وہ اس کی بدمزاجی اور درشت طبعی سے واقف ہونے کی وجہ سے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تھے وہ جانتے تھے کہ اگر اس موقع پر علاؤ الدین خلجی کی مخالفت کی گئی تو وہ انہیں سخت سزا دے گا۔

اس بناء پر وہ اس کی مرضی کے مطابق جواب دیتے رہتے تھے جب علاؤ الدین کے لشکر نے منگولوں کے دو لاکھ کے لشکر کو بھی شکست دے کر مار بھگایا تو علاؤ الدین کا دماغ اور زیادہ خراب ہو گیا اور اس کے غرور کی کوئی انتہاء نہ رہی اور اس نے حکم دیا کہ خطبوں میں اس کے نام کے ساتھ سکندر ثانی کے الفاظ کا اضافہ

کیا جائے۔ ساتھ ہی سکوں اور طغروں پر بھی اس نے یہ لقب نقش کروایا اور ساری دنیا کو فتح کرنے اور نیا مذہب جاری کرنے کی کوششیں اس نے تیز تر کردیں۔

علاؤالدین جاہل مطلق تھا اور اس کی ساری زندگی جاہل خلجیوں میں بسر ہوئی تھی لکھنے پڑھنے سے وہ بالکل ناآشنا تھا اس کی طبیعت میں اجڈپن کے جوہر نمایاں تھے اس بناء پر اہل مجلس کبھی اسے کوئی نصیحت بھی نہ کرتے تھے جب علاؤ الدین اپنی متذکرہ خام خیالوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو بعض حاضرین اس وقت خاموش رہتے بعض شوخ اور بے باک شرکاء مجلس اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بادشاہ کے اس قسم کے خیالات جنوں کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن وہ پھر بھی علاؤالدین کی بہادری، مستقل مزاجی اور تعریفوں کے پل باندھا کرتے تھے اور اسے غلط فہمی میں مبتلا کرتے رہتے تھے دوسری طرف عام مسلمان اور بزرگانِ دین بادشاہ کے لئے ان شیطانی خیالات سے نجات پانے اور مذہب اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لئے دعائیں بھی مانگا کرتے تھے۔

پھر ایسا ہوا کہ علاؤالدین خلجی کی اصلاح کا وقت آ گیا۔ ہوا یوں کہ علاؤ الدین خلجی کا کوتوال جو اس کا ہم نام تھا اور جسے علاء الملک کا خطاب دیا گیا تھا وہ بڑا مذہبی اور سچا مسلمان تھا۔ دین سے متعلق معلومات بھی رکھتا تھا وہ چونکہ بہت موٹا تھا اس لئے دو مہینے میں صرف ایک بار ہی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ علاء الملک کی علاؤالدین کے پاس نہ آنے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ علاؤالملک

شراب نوشی کے خلاف تھا جبکہ علاؤالدین شراب کا رسیا تھا ایک روز کوتوال اعلاء الملک اس وقت علاؤالدین خلجی کے پاس آیا جب شراب کی محفل اپنے عروج پر تھی۔

اس موقع پر علاؤالدین خلجی نے اپنے کوتوال علاء الملک کے سامنے اپنے متذکرہ بالا دونوں خیالات کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔

علاء الملک کیونکہ پکا، سچا مسلمان تھا جب علاؤالدین نے اس کے سامنے نیا مذہب جاری کرنے اور پوری دنیا کو فتح کرنے کے بعد اپنے دونوں خیالات پیش کیے۔ تب اس کے ان دونوں خیالات کو علاء الملک نے ناپسند کیا اس موقع پر کوتوال علاء الملک نے یہ بھی سوچا کہ اب موت کا وقت قریب آ گیا ہے چند روزہ زندگی کے لئے بادشاہ کی خوشی کی پرواہ ہرگز نہیں کرنی چاہیے اور سچی بات پر پردہ ڈالنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی سوچا اس وقت بادشاہ کے عتاب سے بالکل ڈرنا نہیں چاہیے عمر کے آخری ایام میں اگر اس بادشاہ کے ہاتھوں شہادت بھی نصیب ہو گئی تو کچھ پرواہ نہیں ہو گی۔

انہیں خیالات کے پیش نظر جب علاؤالدین خلجی نے اپنے دونوں خیالات اس کے سامنے پیش کیے تب کوتوال علاءُ الملک نے علاؤالدین کو مخاطب کر کے کہا۔

اگر اس مجلس میں شراب نوشی کا دور روک دیا جائے اور مجلس کے اندر جو دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں انہیں باہر بھیج دیا جائے تو پھر یہ خادم اپنی ناقص رائے کے مطابق کچھ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے اگر میری گزارش پسند آئے تو

زہے نصیب ورنہ اس ضعیف العمر غلام کو جس کی عقل دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے معاف کر دیجئے گا۔ علاؤالدین خلجی نے اپنے کوتوال علاءُالملک کی درخواست کو قبول کرلیا اس وقت مجلس میں جس قدر لوگ بیٹھے ہوئے تھے سوائے چند ایک کے سب کو اس نے چلے جانے کا حکم دیا جو لوگ اس وقت مجلس میں بیٹھے رہ گئے ان میں علاؤالدین کا بھائی الماس بیگ، وزیر نصرت خان، الپ خان اور غازی ملک تھے جسے ملتان کے حاکم ظفر خان کی جگہ امیر مقرر کیا گیا تھا۔

جب ایسا ہو چکا تو کوتوال علاءُالملک نے ہاتھ باندھ کر عرض کرنا شروع کیا۔

"شریعت کا تعلق انبیاء کرام سے اور اس کی نبوت اور وحی آسمان سے تعلق رکھتی ہے نبوت کا منصب حضورؐ پر ختم ہو چکا اگر آپ نے کسی نئے مذہب کے اجراء کا اعلان کیا تو تمام مسلمان آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور سارے ملک میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ میرے ناقص خیال میں یہی بہتر ہے کہ آپ اس قسم کا خیال ہرگز دل میں نہ لائیں کیونکہ اب کسی بھی انسان کے لئے اس منصب عظیم کا حاصل کرنا ناممکن ہے جناب کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ چنگیز خان اور اس کی اولاد نے سال ہا سال تک مذہب اسلام کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کر کے اپنے مذہب کو جو ہزاروں سال سے ترکستان میں رائج تھا جاری کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا لیکن انہیں بھی اس سلسلے میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور آخر کار مذہب اسلام کے راستے اور استحکام نے ان دشمنوں کے دل میں جگہ پیدا کی اور

ان کی پوری قوم مشرف بہ اسلام ہوگئی اور انہیں لوگوں نے اس دین کی عزت اور حرمت کی خاطر ان لوگوں سے بار ہا جنگیں کیں جو اس دین کے دشمن تھے۔“

علاؤ الدین خلجی اپنے کوتوال کی اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا کچھ دیر خاموش رہ کر سوچتا رہا پھر اپنے کوتوال کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے انشاء اللہ میں کبھی اس قسم کی باتیں نہیں کروں گا لیکن میرے دوسرے خیال سے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟“

علاء الملک نے جب دیکھا کہ اس نے علاؤ الدین خلجی کو ایک بات کے لئے تو اپنا ہمنوا بنالیا ہے تب اسے حوصلہ ہوا۔ اس بار وہ زیادہ جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”عالیجاہ آپ کا دوسرا خیال بالکل درست ہے یہ معاملہ جو آپ کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی وجہ سے آپ کے پیش نظر ہے اس پر اکثر گزشتہ فرماں رواؤں نے بھی غور کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں بادشاہ کے لئے اپنی شخصی بہادری اور جرأت مندی، خزانے اور لشکر کی مدد سے ہفت اقلیم کو فتح کرنا کوئی مشکل نہیں ہے لیکن یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ دارالسلطنت سے نکل کر دوسرے ممالک پر حملہ آور ہوگا اور ایک طویل مدت تک غیر ممالک میں قیام کرے گا اس وقت ایسا کون سا بہادر ہوگا جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں حکومت کے فرائض انجام دے گا۔

اس کے علاوہ یہ مسئلہ بھی غور کے قابل ہے کہ جب بادشاہ کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد وہاں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے کسی دوسرے ملک کی طرف

روانہ ہوگا تو اس کی عدم موجودگی میں ہوسکتا ہے اس مفتوحہ ملک کا حاکم بادشاہ کی اطاعت سے منحرف ہو جائے۔

اس لئے کہ آج کا زمانہ سکندر اعظم کے عہد سے بہت مختلف ہے سکندر اعظم کے زمانے میں عہد شکنی، مکاری اور چال بازی کا رواج کچھ تھا اس زمانے کے لوگ وعدے کے پکے تھے اور جس بات کا وہ عہد کر لیتے تھے ہر حال میں اس پر برقرار رہتے تھے اس کے علاوہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ سکندر اعظم کے پاس ارسطو جیسا عالی دماغ اور دانش مند وزیر تھا یہ ارسطو ہی کی دانشمندی اور عاقلانہ تدبیر کا نتیجہ تھا کہ یونان جیسی وسیع اور عظیم سلطنت کے لوگ ہمیشہ سکندر اعظم سے خوش رہے اور اس کی اطاعت گزاری کو اپنا فرض سمجھتے رہے۔

اگر حضور کو بھی اپنی رعایا اور امراء پر اعتماد ہے جیسا کہ سکندر اعظم کو اپنی رعایا اور امراء پر تھا تو پھر حضور اپنے ارادے پر حق بجانب ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی مخالفت کرنا درست نہیں ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کوتوال علاءُ الملک رُکا تو علاؤالدین نے اپنے ہم نام کوتوال کی تقریر بڑے غور سے سنی پھر کہنے لگا۔

"اگر میں ان رکاوٹوں کا خیال کروں جو تو نے بیان کی ہیں تو پھر مجھے دنیا کو فتح کرنے کے ارادے کو ترک کرنا پڑے گا اور میں صرف دہلی کی بادشاہت پر قناعت کر کے بیٹھ رہوں گا اگر ایسا ہوا تو پھر میری شان وشوکت یہ غلام اور خادم یہ بھرے ہوئے خزانے، دفینے کس کام آئیں گے اور ساری دنیا کو مسخر کرنے کی میری خواہش کس طرح پوری ہوگی۔"

علاءُ الملک بڑا خوش ہوا کہ علاؤ الدین خلجی اس سے ناراض نہیں ہو رہا بلکہ اس کی باتوں کو غور سے سن رہا ہے لہٰذا اس موقع پر مزید مشورہ دیتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"پوری دنیا کو فتح کرنے کے علاوہ اور بہت سی مہمات ہیں جو سر کی جا سکتی ہیں اور جہاں خزانہ اور طاقت کام سکتے ہیں میں آپ کے سامنے چند مہموں کا ذکر کرتا ہوں اگر میری تجویز پسند آئے تو اس پر عمل کر لیجئے گا۔

پہلی مہم تو یہ ہے کہ ہندوستان کے سرحدی علاقوں کے بعض شہروں کو فتح کیا جائے۔ جنوبی علاقوں میں رنتھبور، جالور، چندر ہری مشرق میں سمندر تک کا علاقہ اور شمال میں بلقان اور کابل کے خطے کو فتح کر کے اچھی خاصی مہم سر کی جا سکتی ہے اور ان مقامات کو جو باغیوں اور سرکشوں کے اڈے بنے ہوئے ہیں فتح کر لیا جائے تو ہندوستان ہر طرح کے فتنے اور فساد سے محفوظ ہو جائے گا۔

دوسری مہم منگولوں کے ہنگاموں کو ختم کرنے سے متعلق ہے اس کے لئے میں گزارش کروں گا کہ دیپالپور اور ملتان جیسے سرحدی شہروں کے قلعوں کو جو ہمیشہ منگولوں کی سرکشی کے راستے میں سنگِ گراں کی حیثیت رکھتے ہیں مضبوط اور مستحکم کیا جائے اور ہر وقت ان کی نگرانی کی جائے۔ ان دونوں عظیم الشان مہموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ دارالسلطنت میں امن اور سکون سے حکمرانی کر سکتے ہیں اور اپنے قابل اعتماد امراء کو عظیم الشان لشکروں کے ساتھ چاروں طرف دور دراز ممالک کی تسخیر کے لئے بھی روانہ کر سکتے ہیں تا کہ یہ امراء آپ کی جہاں کشائی کے جھنڈے گاڑ کر اپنا اور آپ کا نام خوب روشن کریں۔"

علاءُالملک نے جب دیکھا کہ علاؤالدین پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہے تو اس نے نصیحت کے طور پر علاؤالدین خلجی کو مزید کہنا پسند کیا اس لئے کہ علاءُالملک کو علاؤالدین کی شراب نوشی کی عادت قطعی ناپسند تھی اور شراب نوشی کو وہ خود بھی ناپسند کرتا تھا لہٰذا علاؤالدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ان تمام مقاصد کو اسی وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب آپ شراب نوشی، عیش کوشی اور سیر و شکار کی طرف کم توجہ فرمائیں اور تمام مہمات کی نگرانی خود کریں۔“

علاؤالدین خلجی نے اپنے کوتوال علاءُالملک کی اس فکر انگیز تقریر کو بڑا پسند کیا وہ اس کی باتوں سے بڑا متاثر ہوا اس نے علاءُالملک کے عقل و شعور کی نہ صرف تعریف کی بلکہ اسے انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ دس ہزار کی رقم اور دو مرصع زین والے گھوڑے انعام میں دیئے۔

اس وقت علاؤالدین خلجی کے پاس اس کے چار بہترین سالار بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی علاءُالملک کی اس گفتگو سے خوش اور مطمئن ہوئے تھے انہوں نے بھی کئی کئی ہزار کی رقم اور دو دو گھوڑے علاءُالملک کو پیش کیے تھے۔

اب اپنے کوتوال علاءُ الملک کی تجویز پر عمل کرنے کے لئے علاؤالدین خلجی نے ہندوستان کے مختلف راجاؤں کو راہِ راست پر لانے کا تہیہ کرلیا۔ اس نے اپنے بھائی الماس بیگ اور سالار نصرت خان کو ایک خاصا بڑا لشکر مہیا کیا اور اس لشکر کے ساتھ انہیں رنتھبور کے قلعے پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔

رنتھبور کا راجہ دہلی کے ایک قدیم راجہ کی نسل سے تھا اور ایک عرصے سے رنتھبور میں حکومت کررہا تھا۔ علاؤالدین خلجی کا لشکر آگے بڑھا اور پہلے راجہ کے ایک قلعے جہاتن پر قبضہ کرلیا اس کے بعد لشکر رنتھبور پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔

جب محاصرہ طول پکڑنے لگا تو علاؤالدین خلجی کے سالاروں کو خبر ہوئی کہ رنتھبور کے راجہ ہمیر دیو کے پاس شہر کے اندر دو لاکھ سواروں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر ہے اور پیدل لشکریوں کا شمار ہی نہیں ہے اور انہیں یہ بتایا گیا کہ بہت سے منگول بھی رنتھبور میں قیام کیے ہوئے ہیں اور وہ بھی راجہ ہمیر دیو کی حمایت میں علاؤالدین خلجی کے لشکر سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے احتیاط کے طور پر علاؤالدین خلجی کے سالاروں نے جہائن کے قلعے میں قیام کرلیا اور صورتِ حال سے علاؤالدین کو

مطلع کیا۔

جب یہ خبریں علاؤالدین کو پہنچیں تو وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس مہم میں حصہ لینے کے لئے خود دہلی سے نکلا اور رانتھبور کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں علاؤالدین خلجی تلپت کے مقام پر رکا اور یہاں آرام کرنے کے ساتھ ساتھ وہ شکار بھی کرنے لگا۔ اس موقع پر اس کے لشکری دور شکار کررہے تھے اور وہ ایک اونچی جگہ بیٹھا ہوا تھا اس موقع پر علاؤالدین کے بھتیجے سلیمان شاہ نے ارادہ کیا کہ کیوں نہ میں بھی وہی کروں جو علاؤالدین خلجی نے کیا تھا یعنی جس طرح علاؤالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے حکمران بن گیا ہے اس طرح میں بھی علاؤالدین خلجی کو قتل کر کے ہندوستان کا سلطان بن جاتا ہوں۔

یہ سوچنے کے بعد سلیمان اپنے ایک سونومسلم قدیم ملازموں کے ساتھ اس جگہ گیا جہاں علاؤالدین خلجی بیٹھا ہوا تھا سلیمان کو سلیمان شاہ اور راکت خان بھی کہتے تھے اس کے کہنے پر اس کے ملازموں نے علاؤالدین خلجی پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔

یہ صورت حال یقیناً علاؤالدین خلجی کے لئے پریشان کن تھی کچھ دیر تک وہ ان تیروں سے اپنے آپ کو بچاتا رہا لیکن اس کے باوجود اس کے بازو پر زخم آ گئے تھے۔ اس موقع پر علاؤالدین خلجی نے ایک چال چلی اور جان بوجھ کر مردوں کی طرح زمین پر گر گیا۔

سلیمان شاہ نے جب دیکھا کہ اس کا چچا زمین پر گر گیا ہے تب اس کے

ساتھیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ علاؤالدین مر چکا ہے لہٰذا اپنے ساتھیوں کے کہنے پر سلیمان شاہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر گاہ میں پہنچا اور تخت شاہی پر بیٹھ گیا اور وہاں اس نے اعلان کروا دیا کہ اس نے علاؤالدین خلجی کو قتل کر دیا ہے اور اب حکومت کی باگ ڈور اس نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔

لشکریوں نے جب یہ خبر سنی تو پہلے تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی آخر بے بس و مجبور تھے ہر شخص اپنے مرتبے کے مطابق سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر مبارک باد دینے لگا اس کے سلطان ہونے کی لوگ بیعت کرنے لگے لشکر کے اندر جو مطرب اور گانے والے تھے انہوں نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد سلیمان شاہ نے حرم سرا پر بھی قبضہ کرنے کا ارادہ کیا حرم سرا کا سردار ان دنوں ایک شخص ملک دینار تھا اور اس کے تحت کافی مسلح جوان ہوا کرتے تھے سلیمان شاہ جب حرم سرا کے قریب پہنچا تو ملک دینار اس کی راہ روک کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

جب تک ہم اپنے سلطان علاؤالدین خلجی کا کٹا ہوا سر نہ دیکھ لیں کسی کو حرم سرا میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

دوسری طرف علاؤالدین خلجی اُٹھ کھڑا ہوا تیروں کی وجہ سے اس کے جو زخم آئے تھے پہلے ان زخموں پر اس نے کپڑا باندھا اتنی دیر تک اس کے کچھ مقربین بھی اس کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر علاؤالدین خلجی نے یہ خیال کیا کہ اس کے بھتیجے سلیمان شاہ نے ضرور چند امراء کے مشورے پر ہی بغاوت کھڑی کی ہوگی اور ان امراء نے اسے اپنی اعانت اور مدد کا یقین دلایا ہوگا

لہٰذا جو مقربین اس کے قریب آئے انہیں مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

"حالات مجھے پیچیدہ دکھائی دیتے ہیں میرا بھتیجا سلیمان شاہ لشکر پر قبضہ کر چکا ہے لہٰذا میری بہتری اس میں ہے کہ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے فی الفور اپنے بھائی الماس بیگ کے پاس قلعہ جہاتن پہنچ جاؤں اس کے بعد میرا بھائی الماس بیگ جو مشورہ دے گا اسی پر عمل کیا جائے گا۔

علاؤ الدین خلجی کی اس گفتگو کے جواب میں اس کے مقربین میں سے ایک شخص انتہائی خلوص اور نیک نیتی سے کہنے لگا۔

"کم از کم میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا آپ کو کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے سلیمان شاہ کا رنگ ابھی تک لشکر میں پوری طرح جما نہیں ہے آپ پریشان اور فکر مند کیوں ہوتے ہیں آپ اپنے خیمہ شاہی کی طرف روانہ ہوں پھر میں دیکھتا ہوں کہ سلیمان شاہ کیا کرتا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جونہی لوگ آپ کو دیکھیں گے پورے کا پورا لشکر آپ کے گرد جمع ہو جائے گا اور سلیمان شاہ تنہا اور اکیلا ہو کر آپ کے رحم و کرم پر رہ جائے گا۔"

علاؤ الدین خلجی نے اپنے اس مقرب کی رائے کو پسند کیا لہٰذا اٹھا اور اپنے پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

راستے میں جس لشکری نے بھی اسے دیکھا بھاگ کر اس کے پیچھے ہو لیا اس طرح آناً فاناً یہ خبر لشکر گاہ تک پھیل گئی کہ علاؤ الدین خلجی قتل نہیں ہوا وہ زندہ ہے اور شکار گاہ کے جس ٹیلے پر بیٹھا ہوا تھا وہاں سے اتر کر اپنے لشکر کی طرف آ رہا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی سارا لشکر کیا، سالار کیا، امراء کیا، لشکری کیا، فیل بان کیا، سائیس وغیرہ سب اٹھ کر علاؤ الدین خلجی کی طرف بھاگے۔ اس طرح پورا لشکر علاؤ الدین خلجی کے گرد جمع ہوگیا۔

سلیمان شاہ جو تخت پر جا کر بیٹھ گیا تھا اس نے جب یہ صورت حال دیکھی اور اندازہ لگایا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے لہٰذا حواس باختہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا گھوڑے پر سوار ہوا اور افغان پور کی طرف بھاگا۔

اس صورتِ حال سے علاؤ الدین بڑا خوش ہوا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے لشکریوں کی ایک جماعت سلیمان شاہ اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں روانہ کی۔ ان لشکریوں نے سلیمان شاہ کو جا لیا اسے گرفتار کرلیا اور اس کا سر قلم کر کے علاؤ الدین کی خدمت میں پیش کر دیا علاؤ الدین کے حکم سے یہ سر پورے لشکر میں پھرایا گیا اس طرح علاؤ الدین خلجی کے قتل کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔

علاؤ الدین خلجی نے چند روز تک تلپت ہی میں قیام کیے رکھا جب اس کے زخم بھر گئے اس نے کوچ کیا اور رنتھبور پہنچا الماس بیگ نے اس وقت تک جھائن کے قلعے سے نکل کر پھر رنتھبور کا محاصرہ کرلیا تھا علاؤ الدین کے وہاں پہنچنے پر محاصرے میں تیزی اور شدت پیدا ہوگئی تھی۔ علاؤ الدین خلجی کے آنے سے لشکریوں میں ایک جوش اور جذبہ پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا لشکری ہر روز قلعے پر شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتے، قلعے کے اطراف میں تباہی، بربادی اور غارت گری کا کھیل کھیلتے اور اس طرح دن بدن راجپوت تنگی کا شکار ہونے لگے تھے۔

علاؤ الدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ رنتھبور ہی میں محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں دو بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

پہلی بغاوت اودھ اور بدایوں کے حاکموں کی طرف سے ہوئی۔ اودھ اور بدایوں میں علاؤ الدین کے دو بھانجے حکمران تھے ایک کا نام امیر عمر اور دوسرے کا نام منکو خان تھا انہوں نے بغاوت کا پرچم لہرایا ان دونوں نے اچھا خاصا لشکر اپنے ساتھ کر کے بادشاہ کے احکامات کی خلاف ورزی شروع کر دی ان کی بغاوت کی وجہ سے حالات بہت بگڑ گئے اور صورتِ حال نازک ہونے لگی۔

علاؤ الدین خلجی کو جب رنتھبور میں اپنے بھانجوں کے بغاوت کرنے کی اطلاع ملی تو اس نے بدایوں اور اودھ کے امراء اور ذمہ دار لوگوں کے نام خط لکھ کر تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے روانہ کیے اور ان امراء کو اس نے حکم دیا کہ ان دونوں کی بغاوت کو فوراً کچل دیا جائے۔

علاؤ الدین کا یہ خط ملتے ہی اودھ اور بدایوں کے امراء نے علاؤ الدین کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی متفقہ قوتوں سے باغیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست دی دونوں باغیوں کو گرفتار کر کے رنتھبور میں علاؤ الدین خلجی کے پاس بھجوا دیا اور ان کے ساتھیوں کی بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب علاؤ الدین خلجی کے دونوں باغی بھانجے عمر اور منکو رنتھبور پہنچے پہلے تو علاؤ الدین خلجی نے انہیں ان کی بصارت سے محروم کر دیا اور پھر بہت بری طرح تکالیف دے دے کر ان کو قتل کر دیا۔ اس طرح اودھ اور بدایوں کی بغاوت کا خاتمہ ہوا۔

دوسری بغاوت ایک شخص حاجی مولا نے دہلی میں کھڑی کر دی تھی۔ دراصل رنتھمبور کی طرف جاتے ہوئے علاؤالدین خلجی سے ایک غلطی ہوئی تھی اور وہ اس طرح کہ وہ اپنے کوتوال علاء الملک کو بھی اپنے ساتھ رنتھمبور لے گیا تھا۔ علاء الملک ایک انتہائی مخلص جانثار اور شریعت پر سختی سے پابند رہنے والا تھا اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے اس کی جگہ ایک اور شخص کو علاؤالدین خلجی کو کوتوال بنا کر رنتھمبور کی طرف چلا گیا تھا۔

علاؤالدین خلجی اور علاء الملک کی غیر حاضری سے اس حاجی مولا نے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کیا۔ یہ حاجی مولا سلطان جلال الدین کے زمانے میں دہلی کا داروغہ ہوا کرتا تھا اس نے جب دیکھا کہ علاؤالدین خلجی رنتھمبور کے محاصرے میں مصروف ہے اور اپنے کوتوال علاء الملک کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے تب وہ دہلی کے قائم مقام کوتوال کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ بادشاہ کا ایک پیغام آیا ہے باہر نکل کر سن لو وہ کوتوال اس کے کہنے پر جب گھر سے باہر نکلا تو حاجی مولا نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کا خاتمہ کروا دیا اور یہ مشہور کر دیا کہ قائم مقام کوتوال کو علاؤالدین خلجی کے حکم پر قتل کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد حاجی مولا نے شہر پناہ کے دروازوں پر جو محافظ تھے ان کا خاتمہ کر کے وہاں اپنے محافظ مقرر کر دیئے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے شہر کے قلعے کو بھی اپنی گرفت میں لینا چاہا۔ شہر کے قلعے کا محافظ ایک شخص ایاز خان تھا اسے حاجی مولا کی حرکتوں کی خبر ہو چکی تھی حاجی مولا نے اس کی طرف پیغام بھجوایا کہ اس کے نام بادشاہ کا ایک فرمان آیا ہے وہ آ کر سن لے لیکن ایاز اس

کے کہنے پر باہر نہیں نکلا قلعہ بند ہو گیا اس کے پاس ایک چھوٹا سا لشکر بھی تھا جس کے ساتھ اس نے حاجی مولا کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

حاجی مولا نے جب دیکھا کہ قلعے کا محافظ باہر نہیں نکلتا لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ قلعے پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کرے گا۔ اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اس نے زندان کا رخ کیا۔ زندان کے اندر جس قدر قیدی تھے انہیں رہا کروا کر انہیں مسلح کر دیا اس طرح اس کے ساتھیوں میں خوب اضافہ ہوا۔ اس کے بعد حاجی مولا نے ایک شخص کو علاؤ الدین کی جگہ دہلی کا سلطان بنا دیا جسے اس نے دہلی کا سلطان بنایا وہ سلطان شمس الدین التمش کی اولاد میں سے تھا۔

رنتھبور میں جب علاؤ الدین کو حاجی مولا کی اس بغاوت کا علم ہوا تو اسے دکھ اور صدمہ تو بے حد ہوا لیکن وہ بالکل خاموش رہا اس نے اس بات کو عام لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے دیا اور قلعے کو فتح کرنے کی کوششوں کو تیز کر دیا۔ دوسری طرف علاؤ الدین خلجی کا ایک وفادار امیر حمید الدین اس وقت دہلی میں موجود تھا حاجی مولا کی بغاوت سے اسے بے حد دکھ ہوا اس نے تہیہ کر لیا کہ علاؤ الدین خلجی کی آمد سے پہلے پہلے حاجی مولا کی بغاوت کو ختم کر دینا چاہیے لہٰذا وہ حاجی مولا سے چھپتا چھپاتا بدایوں دروازے سے باہر نکل گیا۔

حمید الدین کے ساتھ اس کے بیٹے بھی تھے جو بہترین تیغ زن اور جنگجو خیال کیے جاتے تھے۔ حمید الدین نے دہلی کے گرد و نواح میں علاؤ الدین خلجی کے حمایتیوں اور ہمنواؤں کو جمع کیا جب حمید الدین کے ساتھ کافی مسلح جوان

ہو گئے تب حمید الدین لوٹا۔غزنی دروازے سے دہلی میں داخل ہوا شہر کے اندر اس کا اور حاجی مولا کا آمنا سامنا ہوا اور فریقین ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ حمید الدین نے جرأت مندری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے گھوڑے سے اتر کر حاجی مولا کو پکڑ کر اس کو گھوڑے سے نیچے کھینچا اور زمین پر گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

اس موقع پر حاجی مولا کے ہمنواؤں نے حمید الدین پر حملہ آور ہونا چاہا لیکن حمید الدین کے ساتھی ان پر غالب رہے۔ ساتھ ہی حمید الدین نے حاجی مولا کو نہ چھوڑا اور پوری طرح اسے اپنی گرفت میں کرنے کے بعد اس کا سر کاٹ کر رکھ دیا۔

حاجی مولا کو قتل کرنے کے بعد حمید الدین نے، حاجی مولا نے جس کو دہلی کا نیا بادشاہ بنایا تھا اس پر بھی حملہ آور ہو کر اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حمید الدین حرکت میں آیا اور دہلی میں جس جس نے بھی حاجی مولا کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش کی سب کو اس نے موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح حاجی مولا کی بغاوت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔

دوسری طرف علاؤ الدین نے قلعے کو سر کرنے کے لئے ایک نیا طریقہ اختیار کیا اس نے سارے لشکریوں کو حکم دیا کہ بوریوں میں ریت بھر بھر کر شہر پناہ کے قریب پھینکتے جائیں اس طرح جب وہ بوریوں میں بھری ہوئی ریت ایک ٹیلے کی صورت اختیار کر گئی تب اس کے ذریعے علاؤ الدین اپنے لشکر کے ساتھ

تھنبور شہر والے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ شہر کے اندر قلعے کے راجہ ہمیر دیو نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور اسے اور اس کے لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ رنتھنبور قلعے میں بہت سے ان منگولوں نے بھی پناہ لے رکھی تھی جنہیں ماضی میں علاؤالدین نے شکست دی تھی اور ان منگولوں کا ایک سردار میر محمد شاہ بھی ان دنوں وہیں قیام کیے ہوئے تھا۔

جب رنتھنبور فتح ہوگیا تو علاؤالدین کو پتا چلا کہ میر محمد شاہ اس کے لشکریوں کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے جنگ میں زخمی ہوا ہے اور ایک طرف گر گیا ہے۔

علاؤالدین نے اسے اس حالت میں دیکھا تو اُسے بہت رحم آیا علاؤالدین نے میر محمد شاہ سے پوچھا اگر ہم تمہارا علاج کروا کر تمہیں موت کے ہاتھوں سے بچالیں تو صحت یاب ہونے کے بعد تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔

جواب میں بری طرح زخمی میر محمد نے جواب دیا۔ اگر میں صحت یاب ہوگیا تو سب سے پہلے تجھے قتل کر کے رنتھنبور کی حکومت ہمیر دیو کے بیٹوں کے سپرد کر دوں گا۔

اس پر علاؤالدین کو بڑا غصہ آیا اور اس نے منگولوں کے سردار میر محمد شاہ کا خاتمہ کروادیا تھا۔

رنتھنبور کو فتح کرنے کے بعد علاؤالدین خلجی اپنے لشکر کے ساتھ واپس دہلی گیا اس کی غیر موجودگی میں جو لگاتار بغاوتیں ہوئی تھیں ان کی وجہ سے وہ بڑا محتاط ہوگیا تھا لہٰذا اس نے اپنے سارے سالاروں، امراء کا اجلاس طلب کرلیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ ایسی کون سی تدبیر اختیار کرنی چاہیے جس پر عمل کر کے بغاوت اور سرکشی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کردیے جائیں۔

علاؤالدین خلجی کے اس سوال پر اس کے سارے، امراء اور سالاروں نے مشورہ دیا پھر ایک ان کی نمائندگی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سلطان محترم جو مشورہ آپ نے طلب کیا ہے اس پر ہم سب نے غور کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بغاوت اور سرکشی کی چار بڑی بڑی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ بادشاہ رعایا کے حال سے بالکل بے خبر رہے اور رعایا کی بھلائی کی اسے بالکل پرواہ نہ ہو۔

دوئم یہ کہ ملک میں شراب نوشی کا رواج عام ہو تو شراب نوشی کی وجہ سے انسان کی نفسانی خواہشات میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی بدنیتی کا مادہ ابھرنے لگتا ہے انسان نشے کے عالم میں اپنے آپ سے باہر نکل کر اپنی

خواہشات کو تسکین پہنچانے کے لئے طرح طرح کی حرکات کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں اور پھر ہم خیالی کی بدولت آپس میں مل کر ملک میں ہنگاموں اور شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ سوئم یہ کہ امراء اور اراکینِ سلطنت کا آپس میں اگر گہرا تعلق اور ربط ہو تو، تو بھی خطرناک ہے جب امراء آپس میں شیر و شکر ہوتے ہیں تو اس وقت ان میں سے کوئی ایک کسی فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو باقی تمام اس کا ساتھ دیتے ہیں اس بناء پر یہ صورتِ حال بغاوت اور سرکشی کو جنم دیتی ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مال و دولت کی اگر فراوانی ہو تو کم ظرفوں کو اور کمینوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ دولت مل جاتی ہے تو وہ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں وہ ہر چیز پر قابض ہونے کی تمنا کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ ان کی حریص نگاہیں حکومت کو بھی اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے تڑپنے لگتی ہیں۔"

علاؤ الدین کو اپنے مشیروں کی یہ باتیں بے حد پسند آئیں لہٰذا اس نے ان پر عمل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے علاؤ الدین نے چاروں طرف معتبر مخبر مقرر کیے اور خفیہ خبر رسانی کے محکمے کو اس قدر ترقی دی کہ اسے ملک کے تمام اچھے برے حالات کی خبر ہونے لگی۔ اس محکمے کی ترقی یہاں تک پہنچی کہ امراء اور اراکین سلطنت رات کے وقت اپنے گھروں میں اپنے اہل و عیال سے جو باتیں کرتے تھے ان کی اطلاع بھی بادشاہ کو ہو جایا کرتی تھی۔ صبح کے وقت کوئی امیر جب بادشاہ کے پاس آتا تو بادشاہ اس کے

سامنے گزشتہ رات کی گفتگو کی رپورٹ رکھ دیتا وہ امیر اس تحریر کو پڑھ کر انگشت بدنداں ہو جاتا۔ اس لئے کہ اس رپورٹ میں ایک ایک بات بالکل صحیح طریقے سے لکھی ہوئی ہوتی تھی اس کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے بھی گھبرانے لگے تھے۔

اس کے علاوہ لوگ اپنے گھروں میں آدھی رات کے وقت زور سے بولتے ہوئے جھجکتے تھے عام طور پر تمام گفتگو اشاروں کنایوں سے ہونے لگی تھی اس صورتِ حال سے ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہو گیا تمام راستے پر امن ہو گئے۔

سوداگر اور تجارت پیشہ لوگ بغیر کسی خوف وخطر کے راتوں کو سفر کیا کرتے تھے۔ دہلی سے لے کر بنگال، تلنگانہ، مالابار، سندھ، گجرات کی شاہراہیں بالکل محفوظ ہو گئیں۔ دہلی سے لاہور اور کابل اور کشمیر تک کی شاہراہیں بالکل پر امن ہو گئیں اور مسافر رات کو بھی سفر کرنے لگے تھے۔ کہتے ہیں لاہور شہر کی سڑکیں تک اس قدر محفوظ ہوئیں کہ چوری اور ڈاکہ زنی کی کوئی واردات نہ ہوتی تھی مسافر جس قدر مال واسباب چاہتے اپنے ساتھ لے جائے۔ راستے کے جنگلوں میں وہ ڈاکوؤں اور چوروں وغیرہ سے بے خطر ہو کر راتوں کو چین کی نیند تے اور تمام مال واسباب ان کے پاس پڑا رہتا۔ مسافر دورانِ سفر جس گاؤں سے بھی گزرتے اس گاؤں کا سرکردہ ان کی پوری توجہ سے آؤ بھگت کرتا تھا۔

خبر رسانی کا سارا انتظام درست کرنے کے بعد اب علاؤالدین خلجی نے شراب نوشی کی طرف توجہ دی اس سلسلے میں علاؤالدین نے پہلا اقدام یہ کیا کہ

خود شراب پینی بند کر دی اور یوں محفل بادہ نوشی ختم کر دی گئی عیش وعشرت کی محفلوں پر بھی پابندی لگادی گئی بدایوں دروازے کے پاس شراب کے ان گنت مٹکے توڑ کر شراب خاک میں ملادی گئی۔ساغروں اور صراحیوں کو پاش پاش کر دیا گیا شراب پینے کے لئے جو سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیے جاتے تھے ان کو گلا ڈالا گیا اور ان سے سکے ڈھال کر شاہی خزانے میں داخل کر دیئے گئے شہر میں عام اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ نے شراب نوشی سے توبہ کر لی ہے لہٰذا جو شخص شراب پیئے گا یا بیچے گا اس کو سخت سزادی جائے گی۔

علاؤالدین خلجی نے اپنے تمام مقبوضہ علاقوں میں اس قسم کے احکامات بھیجے اور لوگوں نے ان پر بسر وچشم عمل کرنا شروع کر دیا بادشاہ کے حکم پر لوگوں نے اپنے گھروں سے شراب نکال کر سڑکوں اور شاہراؤں پر بہادی۔کہا جاتا ہے شاہی حکم کے بعد سڑکوں اور گلیوں میں اتنی شراب لنڈھائی گئی کہ برسات کے موسم کی طرح ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ نظر آتی تھی۔

شراب پینے والے اس صورت حال کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے تھے اور زبان سے توبہ بھی کرتے تھے۔شہر کے چوکیدار بڑی چوکسی اور تندہی سے اس امر کا خیال کرتے کہ شراب کا کوئی برتن شہر کے اندر نہ جانے پائے اگر کبھی کوئی شخص گھاس،لکڑیوں یا دیگر سامان کے اندر شراب کا برتن چھپا کر شہر کے اندر لے جانے کی کوشش کرتا تو اسے اپنی اس کوشش میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا چوکیدار فوراً اس قسم کے لوگوں کو تاڑ لیتے اور شراب حاصل کر کے ضبط کر لی جاتی یہ ضبط کی ہوئی شراب فیل خانے میں پہنچادی جاتی اور ہاتھیوں کو پلادی جاتی تھی۔

علاؤالدین کے دور میں کہتے ہیں ہاتھیوں کی زندگی قابل رشک تھی۔ اس لئے کہ انہیں پینے کے لئے شراب مل جاتی تھی اور وہ اپنی زندگی کے ایام عیش وعشرت میں بسر کرتے تھے ان تمام حفاظتی تدابیر اور شدید احکامات کے باوجود بھی کچھ لوگ کسی نہ کسی بہانے اور چالاکی سے اگر شراب شہر میں لانے میں کامیاب ہوجاتے تو انہیں پکڑ لیا جاتا اور انہیں قید و بند کی سزاؤں کے ساتھ ذلت اور رسوا کرنے والا سلوک بھی کیا جاتا تھا اور وہ ہمیشہ مخبروں کی نگاہوں میں رہتے تھے۔

اب شراب نوشی کے خلاف علاؤالدین خلجی نے مزید سختی برتنا شروع کی اس نے بدایوں دروازے کے باہر ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا جب وہ کنواں کافی گہرا ہوگیا تب اس نے حکم دیا کہ ہر وہ شخص جو شراب پیتا ہوا پکڑا جائے شراب بیچتا یا شراب خریدتا ہوا پکڑا جائے ان سب کو گرفتار کرکے اس کنویں میں پھینک دیا جائے۔

لہٰذا جب کبھی بھی کوئی شراب بیچتا اور شراب خریدتا ہوا پکڑا جاتا تو اس کنویں میں اسے پھینک دیا جاتا اور اس کنویں کے اکثر قیدی دورانِ اسیری مرجاتے اور جو لوگ اس قید سے رہائی حاصل کرتے تھے ان کی صحت ایسی خراب ہوتی تھی کہ برسوں تک علاج معالجہ کرواتے رہتے تب کہیں جاکر تندرستی کی نعمت میسر آتی تھی۔

اب علاؤالدین خلجی نے دو باتوں پر تو عمل کرلیا تھا۔ جاسوسی کا نظام درست کرلیا تھا، شراب نوشی پر پابندی لگادی تھی اب اس نے تیسری بات پر عمل

کرنا شروع کیا۔

اس نے شاہی حکم کے ذریعے امراء اور درباریوں کو آپس میں بادشاہ کے حکم کے بغیر رشتے ناتے کرنے پر پابندی لگادی تھی۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کی دعوتیں کرنے کا دستور بھی ختم کر دیا تھا اس حکم پر فوراً عمل کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امراء اور اراکین سلطنت ایک دوسرے کے لئے بیگانے ہو گئے۔ یوں امراء کی طرف سے بھی علاؤالدین کے لئے بغاوت کا کوئی خطرہ نہ رہا۔

چوتھی تجویز پر اس نے اس طرح عمل کیا کہ وہ تمام قصبے جو معافی وقف یا کسی اور وجہ سے رعایا کے قبضے میں تھے وہ شاہی تحویل میں لے لیے گئے بادشاہ نے ہر امیر اور غریب پر جائز اور ناجائز اثر ڈال کر ان کی تمام دولت حاصل کر کے شاہی خزانے میں جمع کر دی۔ اس اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگ کھانے پینے سے بھی محتاج ہو گئے اور روزگار حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے لہٰذا انہیں اتنی فرصت ہی نہ رہی کہ وہ فتنوں اور ہنگاموں کی طرف متوجہ ہوں۔

اپنے مشیروں کی بتائی ہوئی چار تجویزوں پر عمل کرنے کے بعد علاؤالدین خلجی نے سلطنت میں ایسے قوانین جاری کرنے کا ارادہ کیا جن کی رو سے ملک میں مساوات کا دور دورہ ہو جائے۔ کمزوروں اور طاقتوروں میں کوئی فرق باقی نہ رہے دیہاتوں کے مکھیوں اور عام لوگوں کے مقابلے پر جو امتیازات حاصل ہیں انہیں ختم کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں سلطان علاؤالدین خلجی نے حکم دیا کہ زمین کی پیمائش کی جائے تمام پیداوار کا نصف حصہ شاہی خزانے میں داخل کر دیا جائے اس حکم کا

طلاق مکھیا اور عام رعایا پر بھی کیا گیا۔ وہ رقم جس پر مکھیا اپنا حق سمجھتے تھے وہ بھی وصول کر کے شاہی خزانے میں داخل کی گئی مکھیا کے علاوہ عام لوگوں کے لئے بھی دو بھینسوں، دو گائے اور بارہ بکریوں سے زیادہ جانور رکھنے پر پابندی لگا دی گئی اس کے علاوہ جو لوگ جانور رکھتے تھے ان سے جانوروں کی تعداد کے مطابق چرائی کا موصول بھی لیا جاتا تھا۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عاملوں اور اہل کاروں کو اپنے پیشے میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا اور انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ گاؤں کے چودھریوں اور مکھیوں کی زندگی کا نظام بالکل درہم برہم ہو گیا وہ لوگ جو انتہائی امیرانہ شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے جن کا لمحہ لمحہ عیش وعشرت کی نذر ہوتا تھا وہ اب اس حالت کو پہنچ گئے تھے کہ ان کے گھروں کی عورتیں دوسرے خوشحال گھرانوں میں ملازمتیں کر کے گزر بسر کا سامان فراہم کرنے لگی تھیں۔

کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعد میں آنے والے دور میں زمین کی پیمائش اور مالیہ وصول کرنے کا جو نظام شیر شاہ سوری نے قائم کیا تھا وہ نظام دراصل علاؤالدین خلجی کا جاری کردہ تھا اور یہ اس کی ذہنی اختراع تھی۔

علاؤالدین خلجی بالکل ان پڑھ اور جاہل مطلق تھا اس بناء پر وہ کبھی کبھی ان خیالات کا اظہار کرتا تھا کہ ملک کی حکمرانی اور بادشاہت کے نظام کا صرف بادشاہ کی رائے اور اس کی مصلحت سے تعلق ہوتا ہے ان سیاسی کاموں سے خداوند تعالیٰ کی شریعت کا کوئی تعلق نہیں ہے مذہبی علماء کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مختلف قسم کے مقدموں کا فیصلہ کریں خاندانی جھگڑوں کو ختم کریں اور خداوند تعالیٰ

کی عبادت کے بہترین طریقے بتائیں۔

اپنی اس غلط رائے پر علاؤالدین ہمیشہ عمل کرتا تھا اور کسی معاملے میں شریعت کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے پاس بڑے بڑے علماء اور بڑے جید قسم کی عالم ملنے کے لئے آتے تھے۔ پر کبھی کسی نے اس کی اصلاح کا پہلو نہ نکالا تھا لیکن جب علاؤالدین خلجی نے اصلاحات جاری کیں جاسوسی کا نظام قائم کیا اس کے علاوہ شراب نوشی پر پابندی عائد کی اور اس کے لئے سزا کے احکامات جاری کیے گئے، امراء کی رپورٹیں اس کے پاس آنا شروع ہو گئیں تب ان رپورٹوں کو پڑھنے کے لئے اس نے کچھ لکھنا پڑھنا شروع کر دیا تھا اور بڑی تیزی کے ساتھ لگاتار کوشش کرتے ہوئے اس نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے فارسی کی کچھ کتب کا مطالعہ بھی شروع کر دیا تھا اس طرح اس نے لکھائی پڑھائی پر توجہ دیتے ہوئے مختلف علوم کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ذہن میں جو فاسد خیالات آتے رہتے تھے وہ اصلاح پذیر ہوئے اور اسے اس بات کا یقین آ گیا کہ علماء اور قاضی نیک نیت اور پاک باطن لوگ ہیں یہ لوگ دنیاوی فوائد کے لالچ میں گرفتار ہو کر مسائل گھڑا نہیں کرتے عقائد کی اس تبدیلی کے بعد علاؤالدین خلجی کبھی کبھار علماء کی مجلس میں شرکت کرتا اور ان سے شرعی مسائل کے بارے میں گفتگو بھی کرنے لگا تھا۔ اس لئے کہ اب اس نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

علاؤالدین خلجی نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا اور علماء کی مجلسوں میں بیٹھنا شروع کیا تو ایک روز وہ اپنی سلطنت کے قاضی مغیث الدین کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ

انہیں مخاطب کر کے علاؤالدین خلجی کہنے لگا۔ ''میں تم سے چند مسائل کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔'' چونکہ علاؤالدین نے زندگی بھر علماء سے کوئی بات نہ کی تھی ہمیشہ انہیں مطلب پرست اور دغاباز سمجھ کر ان سے کبھی کسی قسم کا مشورہ نہ کیا تھا اس لئے قاضی صاحب علاؤالدین کی یہ بات سن کر دل ہی دل میں خائف ہوئے کہ خدا جانے کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے۔

اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے قاضی مغیث الدین نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے عرض کی۔

''حضور! مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا آخری وقت اب قریب آ گیا ہے اس لئے آپ کوئی مسئلہ پوچھنے کی زحمت نہ فرمائیں بلکہ شاہی ملازموں کو یہ حکم دیں کہ ابھی اور اسی وقت میرا سر قلم کر دیں۔''

علاؤالدین نے قاضی صاحب سے اس ڈر اور خوف کی وجہ پوچھی تو جواب میں قاضی مغیث الدین نے کہا۔

حضور مجھ سے جو کچھ بھی دریافت فرمائیں گے میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا اگر یہ جواب حضور کی مرضی کے خلاف ہوا تو پھر میرا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا اگر میں نے آپ کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غلط جواب دیا اور پھر بعد میں آپ نے دیگر علماء سے میرے جواب کی تصدیق کرائی تو پھر مجھ پر جھوٹ بولنے کا الزام ثابت ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی میرا حشر وہی ہوگا جو پہلی صورت میں ہوتا ہے۔''

قاضی مغیث الدین کا یہ جواب سن کر علاؤالدین مسکرایا اور اس نے قاضی

مغیث الدین سے کہا۔

''میں جو کچھ تم سے دریافت کروں تم اس کا جواب اسلامی شریعت کے مطابق دینا اور یہ یقین رکھو سچ بولنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔''

اس کے بعد بادشاہ نے قاضی مغیث الدین سے کچھ سوالات کیے اور قاضی صاحب نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے جو سوالات اور جوابات ہوئے وہ کچھ اس طرح تھے۔

علاؤالدین خلجی نے پہلا سوال کیا۔

''اسلامی شریعت کی رو سے کسی ہندو کو ذمی اور خراج گزار کہا جا سکتا ہے؟''

علاؤالدین خلجی کے اس پہلے سوال کے جواب میں قاضی مغیث الدین نے کہنا شروع کیا۔

مذہب اسلام کی رو سے ان غیر مسلموں کو ذمی کہا جاتا ہے جو اسلامی حکمران کے عاملوں کے طلب کرنے پر بغیر کسی حیل وحجت کے مال اور خراج ادا کر دیں اگر بادشاہی عامل ان غیر مسلموں کی کوئی بے عزتی بھی کریں تو انہیں ضبط کے ساتھ برداشت کرنی چاہیے اور مال کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے علمائے مذہب اسلام نے غیر مسلموں سے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ یا تو وہ مذہب اسلام قبول کر لیں یا قتل کر دیئے جائیں۔ احادیث صحیحہ سے بھی اسی فتوے کی تائید ہوتی ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ نے غیر مسلموں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی جگہ جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے غیر مسلموں سے سخت گیری کے ساتھ جزیہ وصول کرنا چاہیے۔ تا کہ یہ تشدد اور سخت گیری قتل

کے قائم مقام ہوسکے۔“

یہ جواب سن کر علاؤالدین مسکرایا اور کہا تم نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے میں نے اپنے ذاتی غور وفکر سے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بھی ہے اور میں غیر مسلموں سے ایسا ہی سلوک کرتا ہوں۔“

اب علاؤالدین نے دوسرا سوال کیا۔

”اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہی اہل کار لوگوں سے رشوت کے طور پر کچھ رقم حاصل کر لیتے ہیں کیا اس طریقہ کار کو چوری کے مترادف سمجھنا چاہیے کیا رشوت لینے والوں کو بھی سزا دی جاسکتی ہے جو چوروں کو دی جاتی ہے؟

قاضی نے جواب دیا۔

”شاہی اہلکار اپنی معمولی تنخواہ کے علاوہ جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو اگر کوئی رقم وصول کریں تو بڑی سختی کے ساتھ یہ رقم ان سے واپس لے لینی چاہیے لیکن چوروں کے لئے جو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے وہ ان لوگوں پر جاری نہیں کی جاسکتی۔“

قاضی کا جواب سن کر علاؤالدین کہنے لگا۔ ”میں نے بھی سزا کا یہی قانون رائج کیا ہے شاہی اہلکار جو رقم بددیانتی سے حاصل کرتے ہیں میں بڑی سختی کے ساتھ ان سے واپس لے لیتا ہوں تا کہ لالچی اور ظالم اہلکار رعایا کو تنگ نہ کریں اور رشوت لینے کا رواج ختم ہو جائے۔“

اب علاؤالدین نے تیسرا سوال کیا۔

”میں نے اپنی امارت کے زمانے میں دیوگڑھ سے جو مال و دولت

حاصل کیا تھا اس پر کس کا حق ہے میرا یا رعایا کا۔ وہ میری ملکیت ہے یا بیت المال کی امانت؟''

قاضی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اس تمام مال و دولت میں آپ کا حق اتنا ہی ہے جتنا ان لوگوں کا جنہوں نے یہ سب کچھ حاصل کرنے میں آپ کی مدد کی۔''

علاؤالدین کو یہ جواب بھی پسند آیا اور اس نے کہا۔ ''بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے جو رقم میں نے اپنی امارت کے زمانے میں حاصل کی اور جسے شاہی خزانے میں داخل نہیں کیا گیا وہ کس طرح بیت المال کی امانت ہو سکتی ہے۔'' اس پر قاضی صاحب نے پھر جواب دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''بادشاہ اپنی ذاتی محنت اور قوت سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس میں کسی اور کا حصہ نہیں ہوتا لیکن جو دولت اسلامی لشکر کی وجہ سے بادشاہ حاصل کرے اس پر اس کا حق اس قدر ہوتا ہے جس قدر ایک عام لشکری کا حق ہوتا ہے۔''

علاؤالدین خلجی نے اب چوتھا سوال کیا۔

''لشکر اسلام کی مدد سے جو دولت حاصل کی جائے اس میں میرا اور میری اولاد کا کتنا حصہ بنتا ہے۔''

اس پر قاضی نے غور سے علاؤالدین کی طرف دیکھا اور کہا۔

''اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری موت قریب آ گئی ہے آپ کو میرا پہلا جواب بھی پسند نہیں آیا تھا اور یہ جواب تو کچھ اور ہی زیادہ ناپسندیدہ ہوگا۔''

قاضی مغیث الدین کے یہ الفاظ سن کر علاؤالدین نے کہا۔ ''تم میرے

سوال کا صحیح جواب دو اور اپنی جان کو بالکل محفوظ سمجھو۔"

اس پر قاضی نے جواب دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"اس سلسلے میں تین طریقوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اگر از روئے انصاف دیکھا جائے اور خلفائے راشدین کی تقلید کی جائے تو اس طرح حاصل کی ہوئی دولت سے بادشاہ کو اسی قدر حصہ لینا چاہیے جتنا کہ ایک عام مسلمان اور اگر میانہ روی سے کام لیا جائے تو بادشاہ کو ان امیروں کے برابر حصہ لینا چاہیے جنہیں زیادہ حصہ ملتا ہو۔ اگر ملکی سیاسی مصلحتوں کا خیال کیا جائے تو بادشاہ امراء کے حصے سے کچھ زیادہ حصہ لے سکتا ہے تاکہ بادشاہ اور عام امراء کے مرتبے میں امتیاز کیا جائے اور شاہی رعب کو برقرار رکھا جائے اس سے زیادہ حصہ لینا بادشاہ کو کسی بھی طرح جائز نہیں بادشاہ کی اولاد کا حق امراء اور مسلمانوں کے برابر ہونا چاہیے۔"

یہ جواب سن کر علاؤالدین بہت برہم ہوا اور اس نے کہا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میرے حرم اور دیگر سلسلوں میں جو رقم صرف ہوتی ہے تم اسے ناجائز قرار دیتے ہو۔"

قاضی مغیث کہنے لگا۔

"حضور نے مجھ سے شرعی مسائل کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے سب جوابات از روئے شرع دیئے ہیں لیکن اگر ملکی مصلحت اور سیاسی ضروریات کے پیش نظر میری ذاتی رائے پوچھی جائے تو میں کہوں گا حضور کا عمل بالکل صحیح ہے بادشاہ کے وقار اور اس کے رعب کو قائم رکھنے کے لئے جس قدر بھی دولت صرف ہوگی اس کو ملکی انتظامات کے اخراج میں شمار کیا جانا چاہیے۔"

علاؤالدین نے اپنا پانچواں سوال کیا۔

"میرا معمول ہے جو لشکری ضرورت کے وقت حاضر نہیں ہوتا میں اس سے سزا کے طور پر تین سال کا معاوضہ واپس لے لیتا ہوں اور باغیوں اور سرکشوں کو میں ان کے ساتھی، ہمراہیوں اور بیوی بچوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں اور ایسے مجرموں کی تمام دولت، حاصل کر کے شاہی خزانے میں داخل کر لیتا ہوں۔ باغیوں سے میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتا اور ان کا نام ونشان مٹا کر ملک میں امن وامان کی فضاء پیدا کرتا ہوں شرابیوں، بدکاروں، چوروں وغیرہ کو شدید سزائیں دیتا ہوں میرا خیال ہے تم ان سب باتوں کو شرع اسلام کے خلاف کہو گے۔"

علاؤالدین کے یہ جملے سن کر قاضی مغیث الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کونے میں جا کر اپنے سر کو ہاتھوں پر رکھ کر زمین بوس ہوا اور بڑے ادب سے علاؤالدین خلجی کو مخاطب کیا۔

"حضور نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں وہ شریعت کے احکامات کے خلاف ہیں۔" علاؤالدین خلجی یہ جواب سن کر بہت سٹپٹایا اور بوکھلا کر اس کمرے سے نکل کر آرام سرا کی طرف چلا گیا تھا۔

قاضی مغیث الدین پریشانی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوئے جلد از جلد گھر پہنچے اب انہیں اپنی زندگی کا کوئی یقین نہ تھا انہوں نے اپنے اہل وعیال سے ہمیشہ کے لئے رخصت طلب کی اور اپنے قتل کے شاہی فرمان کا انتظار کرنے لگے۔

وہ اسی انتظار میں تھے کہ اگلے روز علاؤالدین خلجی نے انہیں دربار میں طلب کیا اور خلاف توقع انہیں انتہائی لطف وکرم سے نوازا گیا۔ ان کے لئے

بہترین زردوزی کا لباس مہیا کیا گیا اور ایک ہزار کی رقم پیش کی گئی اس موقع پر علاؤالدین قاضی مغیث الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگرچہ میں علم میں آپ کے مقابلے میں بالکل ناآشنا اور شرعی مسائل سے قطعی ناواقف ہوں لیکن مسلمان ہوں اور مسلمان کا بیٹا ہوں میں اچھی طرح جانتا ہوں آپ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے لیکن دنیا کے معاملات اور خاص طور پر ہندوستان کی مہمات صرف شرعی مسائل پر عمل کرنے سے حل نہیں ہوتیں جب تک سیاست سے شدید ترین قواعد سے کام نہ لیا جائے ملک میں امن وامان قائم رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

میرے خیال میں محض مذہبی وعظ اور نصیحتوں سے اس زمانے کے لوگ سیدھے راستے پر نہیں آتے یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ فاسق اور بدکردار لوگ زنا کاری کے بڑے شیدا ہوتے ہیں غصے قید اور مار پیٹ سے یہ لوگ توبہ نہیں کرسکتے ایسے لوگوں کی عبرت کے لئے ان میں سے چند کو ناکارہ کر دیتا ہوں تاکہ ملک میں بدکاروں کے حوصلے پست ہو جائیں میری نیت نیک اور صاف ہے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق امن وچین اور خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرے چونکہ اللہ کی رحمت کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ خداوند میرے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا۔

شراب نوشی پر پابندی لگانے اور دیگر اصلاحات کرنے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے اب پھر فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس نے دو بڑے بڑے لشکر تیار کیے ایک لشکر کو اس نے بنگال کے راستے تلنگانہ سے ہوتے ہوئے وارنگل نام کے مشہور و معروف اور مستحکم قلعے پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا اور دوسرا لشکر خود لے کر وہ قلعہ چتوڑ کو فتح کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

علاؤ الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ قلعے میں راجپوتوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھا اس لشکر نے علاؤ الدین خلجی کا جم کر مقابلہ کیا لیکن علاؤ الدین خلجی کے متواتر اور شدید حملوں کا مقابلہ راجپوت زیادہ دیر تک نہ کر سکے۔ اس طرح انہوں نے علاؤ الدین خلجی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے علاؤ الدین خلجی نے چتوڑ نام کے اس قلعے کو فتح کرلیا۔

علاؤ الدین خلجی نے یہ قلعہ اپنے بڑے بیٹے خضر خان کے حوالے کیا اور اس قلعے کا نام اس نے خضر آباد رکھا۔ چتوڑ کو فتح کرنے کے بعد شہر کے نواح میں ایک کھلے میدان کے اندر علاؤ الدین خلجی نے ایک محفل کا انعقاد کیا جس میں اس نے اپنے سارے سالاروں اور لشکریوں کے سامنے اپنے بیٹے خضر خان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

جس وقت علاؤ الدین خلجی نے اپنے لشکر کے دو حصے کرنے کے بعد ایک

حصے کو وارنگل پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا اور دوسرے کو لے کر وہ چتوڑ کی طرف روانہ ہوا تھا اسی دوران ماوراالنہر کے منگولوں کو خبر ہوگئی کہ علاؤالدین خلجی کے سارے لشکر دہلی سے روانہ ہو کر مختلف قلعوں کو فتح کرنے کے لئے چلے گئے ہیں لہٰذا اس موقع پر اگر دہلی پر حملہ کر کے قسمت آزمائی جائے تو منگول دہلی پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

ان حالات کے تحت منگولوں کا ایک سالار ترغی ایک بہت بڑا لشکر لے کر ماوراالنہر سے نکلا اور ہندوستان کا رخ کیا۔ حالات کی ستم ظریفی کہ منگول سالار ترغی خان کے ماوراالنہر سے روانہ اور ہندوستان میں داخل ہونے سے پہلے ہی علاؤالدین خلجی اپنی چتوڑ کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی واپس آ چکا تھا لیکن اس قلعے کو فتح کرنے اور اس کی خوشی میں اس نے اپنے سالاروں، امراء اور لشکریوں کو رخصت پر روانہ کر دیا تھا اس کے علاوہ اس کے لشکر کا آدھا حصہ وارنگل کی طرف بھی گیا ہوا تھا۔

منگولوں کا سالار ترغی خان شکست وریخت اور تباہی کا کھیل کھیلتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا علاؤالدین خلجی کو منگولوں کے اس لشکر کے آنے اور حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو وہ بڑا متفکر ہوا اس کا آدھا لشکر پہلے ہی وارنگل کی طرف تھا باقی رخصت پر تھا جبکہ منگول بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے دہلی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے علاؤالدین نے ہمت نہیں ہاری بلکہ جس قدر مختصر سا لشکر اس کے پاس دہلی میں تھا اسے لے کر وہ باہر نکلا لشکر کے چاروں

طرف خندق کھدوائی اور لشکر گاہ کے آس پاس خار بندی کروا کر تمام راستوں کو اچھی طرح بند کر دیا تا کہ منگول آتے ہی اس کے لشکر پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔

اس کے ساتھ ہی تیز رفتار قاصد اپنے امراء اور رخصت پر گئے ہوئے سالاروں کی طرف روانہ کرنے کے ساتھ جو لشکر وارنگل گیا ہوا تھا اسے بھی طلب کر لیا۔

اب منگولوں کا لشکر دریائے جمنا کے کنارے پہنچ گیا۔ منگولوں کے اس لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار کے قریب تھی منگولوں نے جب آتے ہی دیکھا کہ علاؤ الدین کے پاس جو لشکر ہے اس کے اردگرد اس نے خندق کھودی ہے۔ خندق کے نواح میں خاردار تاریں بھی لگادی ہیں تب وہ اس پر حملہ آور ہوتے ہوئے ہچکچائے لہٰذا علاؤ الدین پر حملہ آور ہونے کے بجائے انہوں نے دہلی کے اطراف میں حملہ آور ہو کر وہاں لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہوئے اپنی حالت کو استحکام بخشنا شروع کر دیا۔

اس طرح منگولوں نے لوٹ مار کے ان حملوں میں کول اور برن کے مقامات کو خوب لوٹا لیکن علاؤ الدین خلجی پر حملہ آور ہوتے ہوئے ہچکچا رہے تھے کہیں خاردار تاروں میں الجھ کر رہ نہ جائیں یا جب وہ خندق کو پار کرنے کی کوشش کریں تو علاؤ الدین جوابی کاروائی کرتے ہوئے خندق کو ہی ان کا قبرستان نہ بنا دے لہٰذا انہوں نے ادھر ادھر چھاپے مارتے ہوئے غلہ اور دوسرا سامان جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔

علاؤ الدین خلجی ابھی کشمکش اور تفکرات میں گھرا ہوا تھا کہ منگولوں کے

سردار ترغی خان کو اصل حالات سے آگاہی ہو گئی اس کے مخبروں نے یہ اطلاع کر دی کہ علاؤالدین خلجی کا ایک بہت بڑا لشکر جو وار انگل کی طرف گیا ہوا تھا اسے طلب کر لیا گیا ہے وہ بڑی برق رفتاری سے دہلی کا رخ کیے ہوئے ہے ترغی خان کے طلایہ گردوں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ علاؤالدین خلجی نے جو امراء سالار اور لشکری رخصت پر بھیجے تھے وہ بھی گروہ در گروہ آنا شروع ہو گئے ہیں اور عنقریب علاؤالدین خلجی کے پاس اپنا پورا لشکر جمع ہو جائے گا اور جب ایسا ہو چکے گا تو علاؤالدین خلجی خود خاردار تار کو ہٹا کر اور خندق کو عبور کر کے منگولوں پر حملہ آور ہو گا اور انہیں پسپا کر کے دور تک ان کا تعاقب کرے گا۔

یہ خبریں جب منگولوں کے سردار ترغی کو ملیں تب وہ بڑا متفکر ہوا لہٰذا دہلی پر حملہ آور ہونے کے بجائے اس نے پسپائی اختیار کی اور اپنے لشکر کو لے کر واپس چلا گیا۔

اس طرح ترغی خان اپنے لشکر کو لے کر چلا گیا لیکن منگول بار بار ہندوستان پر حملہ آور ہو کر قسمت آزما رہے تھے شاید وہ ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہتے تھے ترغی خان کے جانے کے بعد چنگیز خان کا نواسا ایک اور سالار کے ساتھ ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے ہندوستان میں داخل ہوا۔ ان حملہ آور منگولوں نے کوہِ سوالک پر قبضہ کر لیا اور آگے بڑھ کر مزید علاقوں کو روندنا شروع کر دیا ان کا مقابلہ کرنے کے لئے علاؤالدین خلجی نے اپنے سالار غازی ملک اور ملک کافور کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر روانہ کیا اور اپنے دونوں سالاروں کو روانہ کرتے وقت علاؤالدین خلجی نے انہیں نصیحت کی کہ منگولوں پر حملہ آور ہو کر

ان کی تباہی اور قتل میں پوری جانفشانی سے کام لیا جائے ان کے کسی بھی آدمی کو زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔

یہ حکم ملنے کے بعد غازی ملک اور ملک کافور بڑی برق رفتاری سے منگولوں کی طرف بڑھے منگولوں اور علاؤ الدین کے لشکریوں کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں علاؤ الدین کے لشکر نے منگولوں کو بدترین شکست دی ان کے سالاروں کو گرفتار کرلیا گیا ان کے بے شمار لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا باقیوں کو گرفتار کرلیا اس جنگ میں غازی ملک کے ہاتھ بیس ہزار بہترین گھوڑے بھی لگے تھے اس طرح فتح حاصل کرنے کے بعد قیدیوں اور گھوڑوں کو لے کر غازی ملک اور ملک کافور دونوں علاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علاؤ الدین اس فتح پر بے حد خوش ہوا اس نے فتح کا جشن منانے کا حکم دیا منگولوں کے لشکر کے دونوں سرداروں کو اس نے قتل کروادیا بیس ہزار گھوڑے علاؤ الدین خلجی نے اپنے سالاروں اور امراء میں تقسیم کردیئے اور جو منگول اس جنگ میں گرفتار ہوئے تھے ان سے علاؤ الدین نے قلعے کے برجوں کی تعمیر کے لئے کام لینا شروع کردیا تھا۔ منگولوں کو مار بھگانے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے اپنے ملتان کے حاکم عین الملک کو مالوہ اور اجین پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا عین الملک ایک خاصا بڑا لشکر لے کر ملتان سے نکلا۔ مالوہ، چندر ہری، جالور اور اجین کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔

پہلے وہ مالوہ پہنچا وہاں راجہ پونا چالیس ہزار گھوڑ سواروں اور ایک لاکھ

پیادوں کے زبردست لشکر کے ساتھ عین الملک کے مقابلے پر آیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں عین الملک کو فتح اور راجہ کو بدترین شکست اٹھانا پڑی اور راجہ میدان جنگ سے بھاگ گیا۔

عین الملک نے آگے بڑھ کر اجین دار انگری اور چندر ہری پر قبضہ کر کے علاؤ الدین کی خدمت میں فتح نامہ روانہ کیا۔ کہتے ہیں دارالسلطنت میں اس فتح کی بڑی خوشی منائی گئی۔

اس فتح کے بعد علاؤ الدین خلجی کی زندگی میں ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا جو علاؤ الدین خلجی کے دور حکومت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

دراصل اس زمانے میں جیتور کا راجہ رتن سین دہلی میں علاؤ الدین خلجی کی قید میں تھا۔ علاؤ الدین خلجی کو کسی نے بتا دیا کہ راجہ کی عورتوں میں ایک پدمنی نام کی عورت ہے جو بلا کی خوبصورت اور حسن میں لاجواب ہے۔

چنانچہ علاؤ الدین خلجی نے راجہ رتن سین کو پیغام بھجوایا کہ اگر اسے آزادی کی خواہش ہو تو رانی پدمنی کو بادشاہ کے ملاحظے کے لئے پیش کرے۔

راجہ نے یہ شرط منظور کر لی اور اپنے چند معتبر آدمیوں کو اپنے علاقوں کی طرف روانہ کیا کہ وہ اس کے بال بچوں اور رانی پدمنی کو لے کر دہلی آئیں۔

ان حالات کی خبر جب راجہ کے رشتے دار راجپوتوں کو ہوئی تو انہوں نے اس بات پر راجہ کو بڑی لعنت ملامت کی اور فیصلہ کیا کہ اگر راجہ رتن سین نے رانی پدمنی کو علاؤ الدین خلجی کے سامنے پیش کیا تو وہ راجہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیں گے تاکہ اپنے خاندان کی عزت اور آبرو کو بچایا جا سکے۔

راجہ رتن سین کی ایک بیٹی تھی جو بڑی عقل مند اور دانش ور تھی اور وہ اپنوں اور بیگانوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھی اس نے اپنے رشتہ داروں کے ارادوں سے مطلع ہو کر ان سے کہا۔

''میری سمجھ میں ایک تجویز آئی ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو میرے باپ کی جان اور عزت دونوں کو بچایا جا سکتا ہے لہٰذا میں تم لوگوں سے کہوں گی کہ میرے باپ کو زہر دینے کا ارادہ نہ کیا جائے۔''

اس نے بتایا۔ ''تجویز یہ ہے کہ راجپوت جانبازوں کا ایک گروہ مسلح ہو کر دہلی جائے جب رات ایک پہر گزر جائے تو یہ گروہ دہلی میں داخل ہو کر یہ مشہور کر دے کہ رانی پدمنی اپنے لواحقین کے ساتھ دہلی میں داخل ہو گئی ہے تا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔''

راجہ رتن سین کی بیٹی نے یہ بھی کہا۔ ''راجپوت زندان کے پاس پہنچ کر رک جائیں اور اپنی تلواروں کو نیام سے باہر نکال لیں اور قید خانے پر حملہ کر دیں وہاں کے پاسبانوں کو قتل کر کے میرے باپ کو نکال کر ایک گھوڑے پر سوار کر کے جلد از جلد اپنے علاقوں کی طرف بھاگ پڑیں اس طرح جب میرے باپ کو زندان سے رہا کروا لیا جائے گا تو پدمنی کو علاؤالدین کے سامنے پیش کرنے سے انکار کر دیا جائے گا۔''

راجپوتوں نے راجہ کی لڑکی کی یہ تجویز پسند کی اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔

راجپوتوں کا ایک مسلح گروہ پالکیوں میں سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوا

دہلی میں انہوں نے رانی پدمنی کے آنے کی خبر مشہور کردی زندان کے قریب پانچ کر ان لوگوں نے قید خانے پر حملہ کردیا۔ دربان اور محافظوں کو قتل کرکے ان لوگوں نے راجہ رتن سین کو قید سے نکال لیا اور ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار کرکے کوہستانی سلسلے کی طرف روانہ کردیا شاہی لشکر کے شہسواروں نے ان راجپوتوں کا پیچھا کیا راستے میں ان کے ساتھ کئی جھڑپیں ہوئیں راجپوتوں کی اکثریت کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تاہم راجہ رتن سین کوہستانی سلسلے کی طرف بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس علاقے کا حاکم چونکہ علاؤ الدین خلجی کا بیٹا خضر تھا لہٰذا اس حادثے کو خضر خان کی غفلت اور کوتاہی قرار دے دیا گیا لہٰذا اس علاقے کی حکومت سے خضر خان کو ہٹا کر دہلی بلا لیا گیا اور راجہ رتن سین کے بھانجے کو اس علاقے کا حاکم مقرر کردیا گیا۔

راجہ رتن سین کا بھانجا اس وقت علاؤ الدین خلجی کے لشکر میں ایک سالار کی حیثیت سے شامل تھا اور ہمیشہ علاؤ الدین خلجی کا مطیع اور فرماں بردار رہا اس طرح یہ حادثہ اپنے انجام کو پہنچا۔

اس حادثے کے بعد علاؤ الدین خلجی کو ایک بار پھر حملہ آور منگولوں کا سامنا کرنا پڑا در اصل منگولوں کا ایک اور لشکر اپنے پہلے ہلاک ہوجانے والے منگول سالاروں کا بدلہ لینے کے لئے ایک شخص گنگ کی سرکردگی میں ہندوستان میں داخل ہوا۔

یہ بھی منگولوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھا اور ان کا سالار گنگ ملتان کے اطراف سے ہوتا ہوا سوالک پہنچا۔

علاؤ الدین خلجی کو خبر ہوئی کہ منگولوں کا ایک اور سالار نام جس کا گنگ ہے ایک بہت بڑا لشکر لے کر ہندوستان میں داخل ہوا ہے اور حملہ آور ہونا چاہتا ہے تب علاؤ الدین نے اپنے سالار غازی ملک کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔

غازی ملک دریائے سندھ کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا منگول جب مختلف علاقوں کو لوٹتے ہوئے گرمیوں کے موسم میں دریائے سندھ کے کنارے پہنچے تو غازی ملک اپنے لشکر کے ساتھ ان کے ساتھ ٹکرا گیا غازی ملک علاؤ الدین خلجی کے بہترین سالاروں میں شمار کیا جاتا تھا اس نے نا صرف منگولوں پر جان لیوا حملے کرتے ہوئے ان کے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ ان کے سپہ سالار اعلیٰ گنگ کو گرفتار کر لیا اس کے گرفتار ہونے پر جو منگول لشکری بچ گئے تھے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

حملہ آور منگولوں کی تعداد ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی غازی ملک کے ان پر حملہ آور ہونے سے منگولوں کا ایسا قتل عام کیا گیا کہ بامشکل ان میں سے تین چار ہزار کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنے کا موقع ملا۔ اس دوران جب منگول بھاگے تو ان کے پڑاؤ میں ان کے بیوی بچوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اس فتح کے بعد غازی ملک دہلی کی طرف روانہ ہوا قیدیوں کو علاؤ الدین کی خدمت میں پیش کیا گیا منگولوں کے سالار گنگ کے علاوہ دوسرے قیدیوں کو بھی ختم کروا دیا گیا اور جو منگولوں کے قیدی بیوی بچے ہاتھ آئے تھے، انہیں سارے ملک میں غلاموں کی طرح ان کی خرید و فروخت کر دی گئی۔

منگول جب بھی ہندوستان پر حملہ آور ہوتے علاؤالدین کے ہاتھوں کیونکہ انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑتا تھا لہٰذا وہ بار بار اپنے شکست خوردہ لشکریوں اور سالاروں کا انتقام لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ گنگ کی ہلاکت اور شکست کے بعد ایک اور منگول لشکر ہندوستان میں داخل ہوا اس لشکر کے سردار اور سالار کا نام اقبال مند تھا یہ بہت بڑا لشکر لے کر ہندوستان کی طرف آیا اور تباہی اور بربادی کا بازار گرم کر دیا۔

علاؤالدین خلجی نے منگولوں کے مقابلہ کرنے کے لئے پھر اپنے نامور سالار غازی ملک کو روانہ کیا غازی ملک پہلے کی طرح پھر منگولوں سے ٹکرایا منگولوں کو اس نے بدترین شکست دی منگولوں کی کثرت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا بہت کم کو بھاگنے کا موقع ملا اس طرح غازی ملک نے نا صرف عام منگول لشکریوں کا خاتمہ کیا بلکہ جنگ کے دوران ان کے سالار اعلیٰ اقبال مند پر حملہ آور ہو کر اس کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ اس شکست کے بعد منگولوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے پھر کبھی علاؤالدین خلجی کے دور حکومت میں ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی جرأت اور جسارت نہ کی۔

منگولوں کے حملوں سے کسی قدر سکون ملنے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے دکن کی طرف توجہ دی۔

دراصل دکن میں دیوگڑھ کا راجہ علاؤ الدین خلجی کا مطیع اور فرماں بردار اور خراج گزار تھا یہ وہی راجہ رام دیو تھا جس سے مال و دولت حاصل کرنے کے بعد علاؤ الدین خلجی نے تخت و تاج حاصل کیا تھا۔

دیوگڑھ کے راجہ رام دیو نے لگاتار تین سال سے خراج ادا نہ کیا تھا۔ ساتھ ہی علاؤ الدین خلجی کے مخبر جو بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے وہ علاؤ الدین کو یہ بھی خبریں دینے لگے تھے کہ رام دیو کے افعال اور کردار سے بغاوت کی بُو بھی آنے لگی ہے۔

یہ صورتِ حال علاؤ الدین خلجی کے لئے یقیناً ناقابل برداشت تھی لہٰذا اس نے ایک لشکر جس کی تعداد لگ بھگ ایک لاکھ کے قریب تھی ملک کافور کی کمانداری میں روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے گجرات میں اپنے حاکم الغ خان کی طرف بھی پیغام بھجوایا کہ وہ ملک کافور کے ساتھ مل کر رام دیو کو اپنے سامنے زیر اور مطیع کرے اور اس سے گزشتہ تین سال کا خراج وصول کرے۔ جس وقت یہ مہم درپیش تھی کہتے ہیں اس وقت علاؤ الدین خلجی کی بیوی رانی کنول دیوی جو مسلمان ہو چکی تھی اور اپنے حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھی وہ علاؤ الدین

خلجی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی۔

سلطان محترم! جس وقت میں دکن میں راجہ رائے کرن کی رانی تھی اس وقت میری دو بیٹیاں تھیں اب میں تو اسلام قبول کر کے آپ کے حرم میں داخل ہو گئی لیکن میری دونوں بیٹیاں رائے کرن کے پاس رہ گئیں اب مجھے پتا چلا ہے کہ میری ایک بیٹی تو انتقال کر چکی ہے البتہ دوسری بیٹی ابھی زندہ ہے۔

جب وہ مجھ سے جدا ہوئی تو چار برس کی تھی اب سنا ہے جوان ہو گئی ہے انتہا درجہ کی خوبصورت ہے اور نام اس کا دیولدی ہے اس موقع پر کنول دیوی نے علاؤ الدین خلجی سے اپنی بیٹی سے ملنے اور اسے حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اپنی ملکہ کنول دیوی کی اس خواہش کے جواب میں علاؤ الدین خلجی نے گجرات کے اپنے حاکم الغ خان کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ کنول دیوی کی بیٹی دیولدی کو ہر صورت میں راجہ رائے کرن سے حاصل کرے علاؤ الدین خلجی نے یہ بھی پیغام بھجوایا کہ دیولدی کو حاصل کرنے میں اگر کسی پر سختی بھی کرنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے اور ہر صورت میں دیولدی کو حاصل کر کے اسے دہلی پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔

علاؤ الدین خلجی کا یہ حکم پا کر الغ خان ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ گجرات سے نکلا اور ملک کافور سے جا ملا۔ یہ لشکر بگلانہ کی طرف بڑھا اور راجہ رائے کرن کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ کنول دیوی کی بیٹی دیولدی کو ان کے حوالے کر دے لیکن راجہ کرن رائے نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

اس انکار کے جواب میں الغ خان اور راجہ کرن کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں لیکن ان جنگوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور ہر بار جنگ کے بعد رائے کرن اپنے

قلعے میں محصور ہو جاتا۔

راجہ رائے کرن نے جب دیکھا کہ اس پر مسلمانوں کا دباؤ دن بدن بڑھتا جارہا ہے تو اس نے مسلمانوں کے خلاف دیوگڑھ کے راجہ رام دیو سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا وہ چاہتا تھا کہ وہ اور رام دیو دونوں مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں اور انہیں واپس جانے پر مجبور کردیں۔

اس موقع پر ایک مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ یہ کہ رام دیو کا ایک بیٹا تھا نام اس کا منگل دیو تھا اور وہ راجہ رائے کرن کی بیٹی دیولدی سے غائبانہ محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنے کا خواہاں تھا۔

لیکن راجہ رائے کرن کسی بھی صورت اپنی بیٹی دیولدی کو منگل دیو کے ساتھ بیاہنے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے کہ دیوگڑھ کا راجہ رام دیو اور اس کا بیٹا منگل دیو مرہٹہ قوم سے تعلق رکھتے تھے ہندو چونکہ مرہٹوں کو اچھوت خیال کرتے ہیں اس لئے انہیں اپنے آپ سے کم تر اور حقیر جانتے ہیں۔ اس بناء پر رائے کرن اپنی بیٹی دیولدی کو رام دیو کے بیٹے منگل دیو سے بیاہنے سے گریزاں تھا۔

جب مسلمانوں نے راجہ رائے کرن پر حملہ آور ہونا شروع کردیا تب منگل دیو نے ان ہنگاموں سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرلیا۔ اپنے باپ کی اجازت لیئے بغیر اس نے اپنے بھائی بھیم دیو سے ساز باز کرکے اسے اعلیٰ درجے کے تحائف کے ساتھ راجہ کی طرف روانہ کیا اور اسے یہ پیغام بھجوایا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں میں جو مذہب کی بنیاد پر دشمنی ہے وہ ظاہر ہے بہتر یہی ہے کہ اپنی بیٹی دیولدی کو جس کی وجہ سے یہ سارا دنگا فساد ہورہا ہے میرے

ساتھ بیاہ دو اگر تم ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان مایوس ہو کر تم سے جنگ نہ کریں گے اور واپس چلے جائیں گے اس طرح مسلمانوں کے حملوں سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔

رائے کرن نے منگل دیو کی اس تجویز سے اتفاق کرلیا۔ لہٰذا بھیم دیو نے اس سلسلے میں اس سے رابطہ قائم کیا تو اس نے قبول کرلیا کہ وہ اپنی بیٹی کو بھیم دیو کے ساتھ روانہ کردے گا تا کہ اسے منگل دیو کے ساتھ بیاہ دیا جائے مورخین لکھتے ہیں کہ دیولدی اتنی خوبصورت تھی کہ اگر اس کی شادی منگل دیو سے ہوتی تو یوں لگتا جیسے کسی پری کو بدصورت دیو کے ساتھ بیاہ دینے کی حامی بھر لی ہو۔

الغ خان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ بڑا فکر مند ہوا۔ وہ تو ہر صورت میں دیولدی کو دہلی علاؤالدین خلجی کے پاس بھجوانا چاہتا تھا لہٰذا اپنے سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ رائے کرن پر حملہ آور ہونا شروع کردیا۔

الغ خان اور اس کے لشکریوں کے حملے ایسے زوردار اور جان لیوا تھے کہ رائے کرن ان کا مقابلہ نہ کرسکا جس کے نتیجے میں رائے کرن کو بدترین شکست ہوئی اور وہ جنگ کے میدان سے راجہ رام دیو کے شہر دیوگڑھ کی طرف بھاگا۔

اب صورتِ حال یہ پیدا ہوگئی تھی کہ راجہ رام دیو کے بیٹے منگل دیو نے اپنے بھائی بھیم دیو کو جن حفاظتی دستوں کے ساتھ دیولدی کو لانے کے لئے بھیجا تھا ان ہی دستوں کے ساتھ اور اپنی بیٹی کے ہمراہ رائے کرن بھی دیوگڑھ کی طرف بھاگ نکلا۔

الغ خان نے رائے کرن کے مرکزی شہر کا تمام مال واسباب اپنے قبضے میں کرلیا۔ ان گنت ہاتھی اس کے ہاتھ آئے اس کے بعد اس نے رائے کرن کا تعاقب شروع کردیا۔ الغ خان جنگلوں کوہستانوں کو عبور کرتا ہوا برق کی سی تیزی سے رائے کرن کا پیچھا کرتا رہا اور یہاں تک کہ وہ راجہ رام دیو کے مرکزی شہر دیو گڑھ کے نواح میں جا پہنچا لیکن اس تعاقب کے دوران نہ اسے راجہ رائے کرن ملا نہ ہی اس کی بیٹی دیولدی ہاتھ آئی۔

الغ خان نے اپنے لشکر کے ساتھ دیو گڑھ کے نواح میں پڑاؤ کرلیا اور اس کے لشکری ادھر ادھر پھیل گئے الغ خان کی خوش قسمتی کہ تعاقب کرنے کے باوجود جب رائے کرن اور دیولدی نہ ملی تو بڑا مایوس اور افسردہ تھا اس بناء پر وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں علاؤالدین خلجی کو کیا جواب دے گا لیکن شاید قدرت اس کی مدد پر آمادہ تھی اس لئے کہ اس کے جو لشکری اپنے پڑاؤ کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا ایک لشکر دیو گڑھ کی طرف جانے والی شاہراہ پر نمودار ہوا تھا۔

انہوں نے سمجھا کہ یہ لشکر راجہ رام دیو کے لشکر کا ایک حصہ ہے اور یہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہا ہے چنانچہ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تمام لشکری یکجا ہو کر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

دراصل یہ راجہ رام دیو کا لشکر نہیں تھا نہ ہی وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہے تھے بلکہ یہ وہ لشکر تھا جس کی حفاظت میں راجہ رائے کرن اور اس کی بیٹی دیولدی دیو گڑھ کی طرف جارہے تھے۔

انہیں دیکھتے ہی مسلمان لشکریوں نے ان پر حملہ کردیا دونوں لشکروں کے

درمیان گھمسان کا رن پڑا مسلمان لشکریوں نے ایسی تیز تیر اندازی ان پر کی کہ وہ تیر اندازی کی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس دوران کہتے ہیں ایک تیر اس گھوڑے کو لگا جس پر دیولدی بیٹھی ہوئی تھی اس تیر کے لگنے سے گھوڑا بے کار ہو کر زمین پر گر گیا جس کی وجہ سے دیولدی بھی زمین پر گر گئی۔

کچھ مسلمان لشکریوں نے آگے بڑھ کر دیولدی کے علاوہ جو دوسرے قیدی تھے انہیں گھیر لیا۔ ساتھ ہی وہ دیولدی کو بھی تلاش کرنے لگے۔ دیولدی کے ساتھ اس کی ایک داسی بھی تھی اس نے جب دیکھا کہ یہ مسلمان ہیں اور دیولدی کی تلاش میں ہیں تب وہ زور زور سے چلانے لگی اور مسلمان لشکریوں کو اشارہ کر کے وہ دیولدی کی نشاندہی کرنے لگی۔

چنانچہ اس داسی کے اشارے پر مسلمان لشکری دیولدی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے نہایت عزت و احترام سے الغ خان کے پاس لے گئے۔ الغ خان دیولدی کو حاصل کر کے انتہا درجہ خوش ہوا جنگ اس نے ترک کر دی اس لئے کہ دونوں راجاؤں کو وہ زیر تو کر چکا تھا دیولدی کو لے کر فوراً اپنے لشکر کے ہمراہ مال غنیمت کا سارا سامان سمیٹتا ہوا گجرات کی طرف روانہ ہو گیا گجرات پہنچ کر الغ خان نے دیولدی کو پالکی میں بٹھا کر دہلی کی طرف روانہ کر دیا۔ دیولدی جب دہلی پہنچی تب اس کی ماں ملکہ کنول دیوی اسے دیکھ کر بے انتہا خوش اور مطمئن ہوئی اور کنول دیوی اور علاؤالدین خلجی کے باہمی مشورے سے دیولدی کو علاؤالدین خلجی نے اپنے بیٹے خضر خان کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔

دوسری طرف ملک کافور الغ خان کے گجرات کی طرف واپس جانے کے بعد دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کی طرف متوجہ ہوا۔ اس لئے کہ راجہ رائے کرن کو الغ خان خود ہی زیر کر چکا تھا ملک کافور نے جب آگے بڑھ کر دیوگڑھ کا محاصرہ کیا تو دیوگڑھ کا راجہ رام دیو بڑا پریشان ہوا۔ اسے یہ تو خبر ہو چکی تھی کہ الغ خان راجہ رائے کرن کو شکست دے چکا ہے اور یہ کہ رائے کرن کی بیٹی بھی دہلی پہنچ چکی ہے لہٰذا ارد گرد سے اسے کہیں بھی مدد ملنے کی کوئی امید نہ تھی چنانچہ اپنے سارے عزیز واقارب اور سالاروں کے ساتھ وہ ملک کافور کی خدمت میں حاضر ہوا جو خراج اس نے نہ دیئے تھے اس رقم کی بھی ادائیگی کی ساتھ ہی بے شمار تحفے تحائف بھی پیش کیے اس طرح جب دیوگڑھ فتح ہو گیا تو دیوگڑھ میں رام دیو کے بیٹے منگل دیو کو چھوڑا گیا جبکہ رام دیو کو ملک کافور اپنے ساتھ دہلی لے گیا تھا۔

رام دیو جب دہلی میں علاؤالدین خلجی کے پاس پہنچا تو علاؤالدین نے اس کی بڑی عزت افزائی کی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ رام دیو کے خزانے ہی کی وجہ سے اسے تخت وتاج کا مالک بننا نصیب ہوا تھا۔ رام دیو پر علاؤالدین خلجی نے مزید یہ مہربانی کی کہ اسے عزت واحترام کے ساتھ واپس دیوگڑھ روانہ کر دیا اور اُسے اپنے علاقوں کی حکمرانی پر بحال کر دیا تھا۔

جس دنوں گجرات کا حاکم الغ خان دیولدی کو حاصل کرنے اور ملک کافور دیوگڑھ پر حملہ آور ہونے میں مصروف تھا انہیں دنوں علاؤ الدین خلجی خود ایک لشکر لے کر دہلی سے نکلا اور سوانہ نام کے قلعے پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔

یہ قلعہ دہلی کے جنوب میں واقع تھا اور نا قابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی فصیل بڑی مضبوط اور مستحکم تھی اور اس کے اندر مال و دولت کے انبار بھی تھے۔

سوانہ پہنچ کر علاؤ الدین خلجی نے چاروں طرف سے قلعے کو گھیر لیا اور اہل قلعہ کی زندگی اس نے اجیرن کر دی۔ بڑی تیزی اور بڑی شدت کے ساتھ اس نے حملے شروع کر دیئے تھے باہر سے نہ کوئی سوانہ والوں کے لئے مدد پہنچتی نہ قلعے کے اندر سے کسی کو نکلنے دیتا نہ ضرورت کی کوئی شے اندر جانے دیتا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر سوانہ کا راجہ سنیل دیو بڑا پریشان اور فکر مند ہوا جب اس نے اندازہ لگالیا کہ اب علاؤ الدین کے حملوں میں دن بدن شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور فرماں برداری اختیار کرنے کے سوا نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی تو اس نے ایک عجیب وغریب طریقہ اختیار کیا۔

اس نے اپنا سونے کا ایک بت بنایا۔ اس کے گلے میں ایک سنہری رسی ڈال کر یہ بت اس نے علاؤ الدین کے پاس بھیج دیا اس سے اس کی مراد اپنی عاجزی کا اظہار تھا اس بت کے ساتھ سینل دیو نے ایک سو ہاتھی اور دوسری بہت سی نادر اور گراں قدر اشیاء بھی روانہ کی تھیں۔ ساتھ ہی اس نے اپنی غلطی کی معافی بھی مانگی مطیع اور فرماں بردار رہنا قبول کیا علاؤ الدین خلجی نے خوش مزاجی کے طور پر اس بت کو تو قبول کر لیا اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ جب تک تم خود حاضر نہ ہو گے کوئی بات مانی نہ جائے گی۔

سینل دیو یہ جواب سن کر مجبوراً قلعے سے باہر نکلا اور علاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس طرح قلعے پر علاؤ الدین کا قبضہ ہو گیا کہتے ہیں قلعے کی تمام اشیاء یہاں تک کہ سوئیاں اور چاقو تک ضبط کر لیئے گئے اس ضبط شدہ سامان میں سے جو اشیاء قیمتی تھیں انہیں سلطنت کے لئے رکھ لیا گیا باقی اشیاء کو علاؤ الدین نے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا تھا۔ سوانہ کے علاقے کو علاؤ الدین خلجی نے اپنے امراء اور سالاروں میں جاگیر کے طور پر تقسیم کر دیا تاہم خالی قلعے کا انتظام سینل دیو کے ذمے رہنے دیا گیا تھا۔

انہیں دنوں ایک عجیب و غریب واقعہ بھی دہلی میں پیش آیا۔ کہتے ہیں ان دنوں جالور کے راجہ کانیر دیو نے دہلی میں قیام کیا ہوا تھا۔ ایک روز جالو کا راجہ کانیر دیو علاؤ الدین سے ملنے کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہوا ملاقات کے دوران گفتگو کرتے ہوئے بادشاہ نے کانیر دیو کو مخاطب کر کے کہا۔

"اب ہندوستان میں کسی راجہ میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں رہی کہ وہ

میرے لشکر کے ساتھ جنگ کر سکے۔"

اس موقع پر کانیر دیو علاؤالدین خلجی کا یہ جملہ سن کر کہنے لگا۔

"اگر میں آپ سے مقابلہ کروں اور فتح حاصل نہ کروں تو پھر میں زندہ رہنا پسند نہ کروں گا۔"

علاؤالدین کو راجہ کانیر دیو کی یہ بات بہت بری لگی اس وقت تو وہ خاموش رہا راجہ سے کچھ نہ کہا تاہم یہ بات اس نے اپنے دل میں بٹھالی تھی کہ کانیر دیو کا قلعہ جالور فتح ضرور کرے گا۔

اس کے بعد علاؤالدین خلجی نے بڑی عزت کے ساتھ جالور کے راجہ کو رخصت کر کے اپنے قلعے جالور کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی اسے دو تین ماہ کی مہلت بھی دی تا کہ جو جملہ اس نے کہا ہے اس کی روشنی میں واپس جا کر اپنے علاقے اور قلعے میں جا کر جنگی تیاری کرے۔

اس کے بعد علاؤالدین خلجی نے کانیر کے خلاف اپنی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرنے کا تہیہ کرلیا۔

علاؤالدین خلجی نے ایک عجیب وغریب طریقہ اختیار کیا اس کی ایک لونڈی تھی نام جس کا گل بہشت تھا اس کے بیٹے کا نام شاہین تھا اس نے راجہ کانیر دیو پر حملہ آور ہونے کے لئے جو لشکر تیار کیا اس کا کماندار کسی سالار کو نہیں بنایا بلکہ اس کا کماندار اپنی لونڈی گل بہشت کو بنا کر راجہ پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا اور اس کے بیٹے شاہین کو اس کا نائب مقرر کیا۔

گل بہشت لشکر لے کر راجہ کے قلعہ جالور پہنچی قلعے کا اس نے محاصرہ کرلیا

انتہائی جرأت مندی اور بہادری کے ساتھ راجہ کے لشکر کا مقابلہ کیا اور قلعے سے باہر راجہ کے لشکر کو شکست دی راجہ محصور ہو گیا۔

اب لونڈی گل بہشت نے بڑی شدت کے ساتھ قلعے کا محاصرہ کر لیا تھا اس کی وجہ سے راجہ کانیر دیو بڑا پریشان اور فکر مند ہوا۔ راجہ کا قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ بدقسمتی سے گل بہشت بیمار ہوئی اور چند روز بعد اس بیماری کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔

گل بہشت کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شاہین نے اپنی ماں کی جگہ سنبھالی اور اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کانیر دیو کے قلعے پر حملہ آور ہوتے ہوئے کانیر دیو کا جینا حرام کر دیا۔

علاؤالدین خلجی کو جب گل بہشت کے مر جانے کی خبر ملی تب اس نے اپنے ایک سالار کمال الدین کو لشکر کی کمانداری سنبھالنے کے لئے روانہ کیا اپنی ماں کے بعد گو شاہین لشکر کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن اسے کمانداری کا کوئی تجربہ نہ تھا اس بناء پر کمال الدین وہاں پہنچا کمال الدین علاؤالدین خلجی کے عمدہ منجھے ہوئے اور تجربہ کار سالاروں میں سے تھا وہ اس انداز سے کانیر دیو پر حملہ آور ہوا کہ قلعے کو اس نے فتح کر لیا اور کانیر دیو مع اس کے ہمراہیوں اور رشتہ دار وغیرہ کو اس نے قتل کر دیا قلعے کی فتح کے بعد سب سے پہلے کمال الدین نے فتح کی خبر علاؤالدین کو بھجوائی اور قلعے سے جس قدر مال و اسباب ملا تھا وہ بھی دہلی کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا۔

کانیر دیو پر فتح حاصل کرنے کے بعد علاؤالدین نے مشہور و معروف اور

مضبوط و مستحکم قلعے وارنگل کی طرف توجہ دی علاؤالدین خلجی نے اس سے پہلے بھی
ایک لشکر اس قلعے پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا تھا لیکن بدقسمتی سے ان
دنوں منگولوں کا ایک لشکر ہندوستان پر حملہ آور ہو گیا جس کی بناء پر علاؤالدین خلجی
کو اپنے لشکریوں کو واپس بلا کر منگولوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس بناء پر وارنگل نام کا
یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا تھا۔

اب علاؤالدین نے پھر اس قلعے کو فتح کرنے کا تہیہ کیا اور ملک کافور کو
ایک لشکر دے کر اس نے قلعہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔

لشکر کو روانہ کرتے وقت علاؤالدین خلجی نے نصیحت کی کہ وارنگل کا راجہ
لدر دیو دولت و مال اور ہاتھی نذر کر کے اور سال ہا سال اگر خراج ادا کرنے کا عہد
کرے تو اسے منظور کر لینا اور معاملے کو آگے نہ بڑھانا۔ اس کے بعد تلنگانہ کو فتح
کر کے لوٹ آنا اس طرح علاؤالدین خلجی نے اس لشکر کو روانہ کیا اور لشکر کے دو
سالار مقرر کیے ایک ملک کافور اور دوسرا خواجہ حاجی تھے۔

یہ لشکر منزل پر منزل مارتا ہوا پہلے دیوگڑھ پہنچا۔ دیوگڑھ کا راجہ رام دیو علاؤ
الدین خلجی کا خراج گزار اور ماتحت تھا اس نے شاندار طریقے سے مسلمانوں کے
لشکر کا استقبال کیا بہت سے تحفے تحائف بھی پیش کیے دیوگڑھ میں ستانے کے
بعد ملک کافور اور خواجہ حاجی اپنے لشکر کو لے کر پھر پیش قدمی کرنے لگے۔

کچھ دور تک راجہ رام دیو اس کا بیٹا اور عمائدین بھی ان کے ساتھ گئے
ساتھ ہی راجہ رام دیو نے مسلمانوں کے لشکر کو سہولتیں پہنچانے کے لئے اپنی
مملکت کے پنساریوں اور دیگر تاجروں کو ہدایت کر دی کہ وہ ضرورت کی تمام

اشیاء کم نرخوں پر مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھ فروخت کریں۔ یہاں تک کہ ملک کافور اور خواجہ حاجی اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے تلنگانہ کے سرحدی علاقے کے اندر پہنچے۔

یہاں مختلف جگہوں پر حملہ آور ہو کر ملک کافور نے تباہی اور بربادی کا خوب کھیل کھیلا۔ ایسا کر کے اس نے ایک طرح سے وہاں کے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا تھا تاکہ اطاعت پر مجبور ہو جائیں جب آس پاس کے چھوٹے چھوٹے راجاؤں کو خبر ہوئی کہ مسلمان ان پر حملہ آور ہونے کے لئے ان کے علاقوں میں داخل ہو چکے ہیں تب چھوٹے چھوٹے سارے راجہ وارنگل کے راجہ لدر دیو کے پاس چلے گئے۔

اس طرح آس پاس کے علاقوں پر اپنا قبضہ کرنے کے بعد ملک کافور اور خواجہ حاجی اپنے لشکر کے ساتھ وارنگل جا پہنچے۔

وارنگل کا قلعہ بڑا مضبوط اور مستحکم تھا اور بڑے بڑے پتھروں سے اس کی فصیل بنی ہوئی تھی۔ ملک کافور اور خواجہ حاجی نے قلعے کا محاصرہ کر کے آنے جانے کے تمام راستے محدود کر دیئے قلعے کے اندر جو لشکر تھا اس نے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے پر کمر باندھی۔ روزانہ ہزاروں جنگجو قلعے سے نکل کر مسلمانوں سے معرکہ آرائی کرتے اور اپنا نقصان کرا کے قلعے کے اندر چلے جاتے ان تمام کوششوں کے باوجود قلعے کا لشکر زیادہ دیر تک شہر کی حفاظت نہ کر سکا ملک کافور اور خواجہ حاجی نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے ہوئے وارنگل شہر پر قبضہ کر لیا اب وارنگل کا لشکر قلعے کے اندر محصور ہو گیا تھا۔

قلعے کے بیرونی حصے پر علاؤالدین کے لشکر کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے وارنگل کا راجہ لدر دیو بڑا بدحواس ہوا اس کے اوسان خطا ہو گئے اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اب بیکار ہے اور اگر وہ مقابلہ کرے گا بھی تو خود بھی مارا جائے گا اور اپنے لواحقین کی موت کا بھی باعث بنے گا لہٰذا اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اطاعت گزاری کا اعلان کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد راجہ لدر دیو اپنے لواحقین اور امراء کے ساتھ ملک کافور اور خواجہ حاجی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے تین سو ہاتھی سات ہزار گھوڑے بے حد و بے شمار دولت اور زر و جواہرات پیش کیے اور ہر سال باقاعدگی کے ساتھ خراج دینے کا وعدہ بھی کیا۔

اس طرح وارنگل بھی علاؤالدین کے ہاتھوں فتح ہوا اور فتح کی یہ خبر دہلی میں جب علاؤالدین خلجی کے پاس پہنچی تو اس نے اس فتح کا جشن منانے کا حکم دیا۔

اس دوران علاؤالدین خلجی بیمار پڑ گیا۔ اس کی بیوی جسے ملکہ جہاں کہہ کر پکارا جاتا تھا اور بڑا بیٹا خضر خان اپنے طور پر مجلس آرائیوں، عیش و عشرت میں مصروف رہے اس قسم کی مصروفیات نے انہیں بادشاہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی دونوں نے بادشاہ کے علاج اور تیمارداری کی پرواہ نہ کی علاؤالدین نے اپنے بیٹے اور بیوی کو اپنی حالت سے بے پرواہ دیکھا تو اسے بہت دکھ اور افسوس ہوا اس نے اپنی بیماری کو ان دونوں کی غفلت کا نتیجہ سمجھا۔

علاؤالدین کی بیماری کے دوران ہر روز خضر خان اور اس کی ماں ملکہ جہاں

سے ضرور کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوتی جس کی وجہ سے علاؤالدین ان دونوں سے زیادہ سے زیادہ بدگمان ہوتا چلا گیا اور اس بدگمانی سے ملک کافور نے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

خضر خان کو ان دنوں محفلیں آراستہ کرنے شراب پینے اور گانا سننے وغیرہ سے قطعاً فرصت نہ ملتی تھی۔ وہ ان مشاغل میں سرتاپا غرق ہو کر رہ گیا تھا چوگان بازیوں اور ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے سے اسے بہت دلچسپی تھی اور وہ اپنا وقت انہی سلسلوں میں صرف کرتا تھا۔

ملکہ جہاں کا یہ عالم تھا کہ اسے بیٹوں کی شادی، پوتوں کے عقیقوں اور ختنوں اور دیگر رسومات میں مصروف رہنے کے علاوہ اور کچھ نہ بھاتا تھا وہ ہر وقت اسی قسم کی تقریبات میں مصروف رہتی تھی۔ الغرض ان دونوں کو سوائے علاؤ الدین کی بیماری کے اور سب کچھ یاد تھا اور وہ شب و روز انہی غیر اہم کاموں میں الجھے رہتے تھے۔

علاؤالدین خلجی نے جب اپنے بیٹے اور بیوی کا یہ حال دیکھا تو اس نے اس سلسلے میں ملک کافور کو بلا کر اپنے بیٹے خضر خان اور ملکہ جہاں کی لاپروائی کی شکایت کی۔ ملک کافور تو خود ہندوستان کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا لہٰذا اس موقع کو غنیمت جان کر اس نے بادشاہ سے کہا۔

"میں ان حالات کے پیش نظر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خضر خان، ملکہ جہاں اور خضر خان خالو الغ خان جو تینوں شاہی خاندان کے امراء ہیں آپ کی موجودگی انہیں بھلی معلوم نہیں ہوتی اس لئے وہ تہہ دل سے آپ کی موت کے

خواہاں ہیں۔"

جن دنوں ملک کافور علاؤالدین خلجی کے بیٹے خضر خان اور اس کی ماں ملکہ جہاں کے خلاف سازش تیار کر رہا تھا ان ہی دنوں ملکہ جہاں کو جشن مسرت منانے کی تدبیر سوجھی اس نے علاؤالدین سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ شہزادہ شادی خان کو الغ خان کی بیٹی سے بیاہ دیا جائے۔

یہ سن کر ملک کافور کو بادشاہ کے کان بھرنے کا مزید اور نادر موقع ملا اس نے ادھر ادھر کی باتیں لگا کر بادشاہ کو ان لوگوں کی طرف سے زیادہ بدگمان کر دیا۔

علاؤالدین نے ملک کافور کے بار بار شکایت کرنے اور اس کی سازشوں میں آ کر بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے خضر خان کو شکار کے بہانے امروہہ کی طرف روانہ کر دیا اور چلتے وقت اس سے کہا جب میں صحت یاب ہو جاؤں گا تو تمہیں بلا لوں گا۔

کہتے ہیں خضر خان نے روانہ ہوتے وقت یہ منت مانی کہ اگر اس کا باپ صحت یاب ہو گیا تو وہ امروہہ سے دہلی تک پیدل چل کر آئے گا۔

جب خضر خان کو یہ معلوم ہوا کہ علاؤالدین کی صحت کچھ اچھی ہو رہی ہے تو اس نے اپنی منت پوری کی اور اپنے خاص لشکر کے ساتھ امروہہ سے دہلی پاپیادہ پہنچ گیا اس کی آمد پر ملک کافور کو علاؤالدین کے کان بھرنے کا ایک اور موقع مل گیا ملک کافور نے علاؤالدین خلجی کے کان بھرے اور کہا۔

"خضر خان آپ کی اجازت کے بغیر امروہہ سے دہلی آ گیا ہے اس لئے اس سے ہوشیار رہنا چاہیے کہیں امیروں کے ساتھ مل کر سازش نہ کرے اور کوئی

نیا فتنہ نہ پیدا کر دے۔" علاؤ الدین خلجی کو ملک کافور کی اس بات کا اعتبار نہ آیا اور اس نے خضر خان کو بلایا، اس سے ہم آغوش ہوا اس کے سر او آنکھوں کو چوما اور اسے اجازت دی کہ حرم سرا میں جا کر اپنی ماں اور بہنوں سے ملاقات کرے۔

ملک کافور جو خود ہندوستان کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا اسے یقین تھا کہ جب تک خضر خان اور اس کے بھائی زندہ ہیں اس وقت تک وہ ہندوستان کا بادشاہ نہیں بن سکتا اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ خضر خان کا خالو الغ خان بھی تھا جو ایک اچھا سالار، عمدہ سیاست دان بھی تھا اور وہ علاؤ الدین خلجی کا جان نثار اور مخلص بھی تھا۔

اب ملک کافور نے لگا تار خضر خان اور الغ خان کی شکایتیں کرنی شروع کر دیں۔ ایک موقع پر اس نے علاؤ الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ "خضر خان فلاں فلاں امراء سے سازش کر کے آج کل ہی میں بادشاہ کی جان لینے والا ہے اس کام میں اس کا بھائی شادی خان بھی شامل ہے۔ اپنے ان الزامات کو تقویت پہنچانے کے لئے ملک کافور نے مکاری اور عیاری سے کام لیتے ہوئے چند جھوٹے گواہوں کو بھی پیش کر دیا جو غلام تھے۔ اس طرح ملک کافور نے علاؤ الدین کو خضر خان اور شادی خان کی طرف سے مکمل طور پر متنفر کر کے ان دونوں کی گرفتاری کا فرمان جاری کروا دیا۔

گرفتاری کے بعد ملک کافور نے ان دونوں شہزادوں کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا ملکہ جہاں کو محل سے نکلوا کر پرانی دہلی میں نظر بند کر دیا اس کے ساتھ

ساتھ ملک کافور نے پھر عیاری، اوباشی، بدمعاشی اور مکاری سے کام لیتے ہوئے خضر خان کے خالو اور علاؤ الدین کے انتہائی مخلص سالار اور امیر الغ خان کی موت کا بھی فرمان جاری کروالیا۔ الغ خان جو خضر خان اور شادی خان کا خالو تھا اور ابھی حال ہی میں گجرات سے آیا تھا اور اس نے علاؤ الدین خلجی کے لئے ماضی میں بہترین کارہائے نمایاں بھی انجام دیئے تھے وہ اس ملک کافور کی عیاری کی وجہ سے مارا گیا۔

اب لے دے کے دہلی میں علاؤ الدین خلجی کے بہترین اور عمدہ سالاروں میں سے کمال الدین رہ گیا تھا۔ ملک کافور جانتا تھا کہ کمال الدین اس کے ارادوں کو پورا نہ ہونے دے گا لہٰذا اس کی بھی شکایتیں کرتے ہوئے ملک کافور نے علاؤ الدین سے حکم جاری کروادیا اور کمال الدین کو اس نے جالور کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ جالور کے حاکم نظام الدین کو جو الغ خان کا بھائی تھا قتل کر کے وہاں خود حکومت کر لے۔

آخر چھ شوال ہجری سات سو سولہ کی رات کو علاؤ الدین خلجی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ بے شمار زر جواہرات اور دولت جو محمود غزنوی کو بھی میسر نہ ہوئی تھی اور جسے علاؤ الدین نے بڑی محنت سے جمع کیا دوسروں کے لئے چھوڑ گیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ کی موت زہر خورانی سے ہوئی اور یہ زہر اسے اس کے غلام ملک کافور نے دیا تھا۔

بہر حال ملک کافور نے علاؤ الدین کا خاتمہ کر دیا اور اس کے رشتہ داروں کو ادھر ادھر پھینک دیا۔ اس کے بعد اس نے خود ہندوستان کا بادشاہ بننا چاہا لیکن

شاید قدرت کو ایسا منظور نہ تھا علاؤ الدین خلجی کی موت کے صرف پینتیس دن بعد علاؤ الدین کے حرم سرا کے دو غلام جو ملک کافور کی سازشوں اور عیاریوں سے واقف تھے وہ اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اس طرح علاؤ الدین خلجی کے بعد ملک کافور کے بجائے علاؤ الدین خلجی کا بیٹا حکمران بنا۔

علاؤ الدین خلجی مزاج کا کچھ تند خو بھی تھا اس لئے کسی درباری یا مقرب کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی مجرم یا گناہ گار کی بادشاہ سے سفارش کرے۔ اس کی عادت یہ تھی کہ اگر وہ کسی سے ایک بار رنجیدہ ہو جاتا تو پھر تمام عمر اس سے گفتگو نہ کرتا اور کبیدہ خاطر ہی رہتا۔ اپنے ابتدائی زمانے میں تو علاؤ الدین اپنی سلطنت کے امور میں لوگوں اور امراء سے مشورہ کرلیا کرتا تھا اور چند امراء اس کی سیاسی حکمت عملی میں دخل انداز بھی تھے لیکن آخری عہد میں جب قدرت نے اس کے دامن کو فتوحات اور کامیابیوں سے بھر دیا تو اس نے امراء سے مشورہ کرنے کی عادت ترک کر دی تھی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ علاؤ الدین خلجی کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئیں اتنی کسی ہندوستان کے حکمران کو نہ ہوئی تھیں۔ اس نے جس کثرت سے مسجدیں، تالاب سرائیں، خانقاہیں اور قلعے وغیرہ تعمیر کروائے اتنے کسی اور بادشاہ نے نہیں تعمیر کروائے تھے۔ اہل فن بھی اس کے زمانے میں بہت بڑی تعداد میں جمع تھے ان کا اتنا بڑا گروہ کسی بادشاہ کے زمانے میں جمع نہیں ہوا تھا۔ علاؤ الدین کے دور میں سچائی اور انصاف کا جو بول بالا ہوا اطاعت اور فرماں برداری کا نام اونچا ہوا بغاوت اور سرکشی کا جس طرح قلع قمع ہوا اس کی مثال کسی اور بادشاہ کے

عہد میں نہیں ملتی۔

اپنی زندگی کے آخری دور میں وہ مذہب اور شریعت کا سختی سے پابند ہو گیا تھا ایک بار ایک گروہ دہلی میں داخل ہوا۔ وہ دہلی میں جشن منانے لگا علاؤالدین کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اسے اطلاع دی گئی کہ یہ اباجی ہیں اور اپنی رسم کے مطابق جشن منانا چاہتے ہیں۔ علاؤالدین نے پوچھا ان کی رسوم کیا ہیں اور کیسا جشن منائیں گے؟ اس پر بتانے والوں نے اسے بتایا کہ وہ اپنے دستور اور رواج کے مطابق سال میں ایک مرتبہ جشن مسرت منعقد کرتے ہیں یہ جشن رات کے وقت منعقد کیا جاتا ہے اور اس رات تمام محرمات شرعی یعنی ماں، بہن وغیرہ کی تمیز بھلا دیتے ہیں۔ علاؤالدین کو جب خبر ہوئی تو وہ کانپ اٹھا اس نے سارے اباجیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ان سب کو کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ اس طرح علاؤالدین کے حکم سے ان غیر شرعی کام کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور ان کا نام ونشان ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا۔

علاؤالدین خلجی کو یقیناً ایک کامیاب حکمران قرار دیا جا سکتا ہے اس کے دور حکومت میں منگولوں نے بار بار ہندوستان پر حملے کیے خصوصیت کے ساتھ وہ ملتان کو اپنا ہدف بناتے لیکن ہر بار علاؤالدین نے انہیں شکست دی اور اس نے ملتان اور دیپالپور پر نظر رکھنے کے لئے اپنے بہترین سالار مقرر کیے جو ہر سال کابل، قندھار، غزنی اور دوسرے علاقوں کی لشکر کشی پر نگاہ رکھا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ علاؤالدین کے ہاتھوں منگولوں کی لگاتار شکستوں کی وجہ

سے منگولوں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ وہ پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوتے۔ اس طرح ہندوستان فسادیوں اور شر پسندوں سے پاک ہوا علاؤ الدین خلجی کے دور میں تمام راستے کھل گئے تاجروں اور دیگر پیشہ وروں کو آزادانہ تجارت کا موقع ملا۔

ملک میں پورے طور پر امن وامان قائم ہو گیا اور علاؤ الدین خلجی دہلی میں اپنے تخت پر بیٹھ کر دور دراز کے ملکوں کو فاتحانہ نظروں سے دیکھتا تھا۔

کہتے ہیں علاؤ الدین جس علاقے کی طرف نظر اٹھاتا اسے فتح کر لیتا اور جس غیر ملک یا ریاست کو پسند کرتا اسے بغیر کسی محنت کے اپنے قبضے میں کر لیتا۔ علاؤ الدین نے جس انداز سے اپنے عزائم، اپنے ارادوں اور مقاصد میں کامیابی حاصل کی اور مختلف مہمات میں جس طرح حسن اتفاق سے قسمت نے اس کی یاوری کی یہ حالات قسمت اور مقدر نے ہندوستان میں اس سے پہلے کسی حکمران کے لئے پیدا نہ کیے تھے۔